شریمد بھگوت گیتا

منظوم ترجمہ

ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم

سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور

شریمد بھگوت گیتا

منظوم ترجمہ

ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم

سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور

294.5 Khalifah Abdul Hakim, Dr.
Shrimad Bhaghwat Gita/ Dr. Khalifah Abdul Hakim.- Lahore : Sang-e-Meel Publications, 2008.
154pp.
1. Hinduism. I. Title.

2008
نیاز احمد نے
سنگ میل پبلی کیشنز لاہور
سے شائع کی۔

ISBN 969-35-2094-7

Sang-e-Meel Publications
25 Shahrah-e-Pakistan (Lower Mall), P.O. Box 997 Lahore-54000 PAKISTAN
Phones: 7220100-7228143 Fax: 7245101
http://www.sang-e-meel.com e-mail: smp@sang-e-meel.com

حاجی حنیف اینڈ سنز پرنٹرز، لاہور

انتظار حسین - پیش لفظ

فیضی گیتا کا پہلا مترجم تھا۔اس کام کی تحریک جہاں سے ہوئی وہ شہنشاہ اکبر کا علمی تجسس تھا۔تو پہلا ترجمہ فارسی میں ہوا اور یوں یہ جواہر پارہ سنسکرت کے نہاں خانے سے باہر آیا اور بین الاقوامی سطح پر اس کے تعارف کے لئے زمین ہموار ہوئی۔تب سے اب تک دنیا کی کتنی زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔مگر معنی خیز بات یہ ہے کہ اس کے ترجمے سب سے بڑھ کر اردو زبان میں ہوئے ہیں۔خلیق انجم کے اندازے کے مطابق وہ پچاس کے لگ بھگ ہیں۔اور پھر اردو کے ان شعرا کو بھی مت بھولئے اور جن میں نظیر اکبر آبادی، مولانا حسرت موہانی اور یگانہ چنگیزی جیسے اہم شعرا شامل ہیں جنہوں نے سری کرشن جی کی ذات کو کتنے جوش وخروش سے خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ہاں محمد اجمل خاں نے اپنے ترجمہ کو 'نغمہ خداوندی' کے عنوان کے تحت پیش کیا ہے تو اس جواہر پارے کو ایک الوہی نغمہ کہیئے یا ایک بصیرت افروز خطبہ یا پیمبرانہ دانش سے لبریز ایک مکالمہ، یہ جو کچھ بھی ہے قیاس کیجئے کہ مسلمانوں کا اس سے کتنا شغف رہا ہے۔اس شغف کی تاریخ متحدہ ہندوستان میں عہد اکبری سے شروع ہوتی ہے اور پاکستان کی ابتک کی تاریخ میں جاری رہتی ہے۔اس کے تین قابل ذکر منظوم ترجموں کا شرف ان شخصیتوں کو حاصل ہے جن کا

تعلق پاکستان سے تھا۔ یعنی خواجہ دل محمد، شان الحق حقی اور خلیفہ عبدالحکیم جن کا ترجمہ اس وقت ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ اور خلیفہ صاحب کو تو ہم اولاً ان کے فلسفیانہ شغف اور اسلامی مطالعہ کے حوالہ ہی سے جانتے ہیں تو اس ترجمہ کا ایک امتیاز یہ ہے کہ اسلامی مطالعہ کے جلو میں آیا ہے۔

اس وقت میرے سامنے گیتا کے مختلف ترجمے ہیں۔ چند ایک انگریزی کے، باقی اردو کے۔ ان کے مترجموں اور مقدمہ نگاروں میں ایسی شخصیتیں بھی شامل ہیں جن کا ادب کے حوالے سے ہم نے لوہا مانا ہے جیسے رشرووڈ اور الڈس ہکسلے، بعض کو ہم علما و محققین کی حیثیت سے جانتے ہیں جیسے ڈاکٹر تاراچند اور ڈاکٹر مالک رام۔ بعض سنسکرت کے علما کا مرتبہ رکھتے ہیں جیسے سوامی پربھانند، سوامی پروہت، ڈاکٹر بھگوان داس۔ اور پھر گاندھی جی اور پنڈت سندر لال جیسی شخصیتیں، مگر میرے حساب سے تو وہ ترجمے بھی اپنی ایک اہمیت رکھتے ہیں جو عقیدتمندی کا ثمر ہیں اور جنہیں کسی عالم اور محقق کی کمک حاصل نہیں ہے۔ کیونکہ اول الذکر ترجموں میں مترجمین اور شارحین گیتا میں جاری عقیدے میں تو شامل نہیں ہیں نہ عقیدت کے جذبات میں شریک ہیں۔ انہیں تو یہاں بس فلسفہ اور ویدانتی دانش کا ظہور نظر آرہا ہے اور اس سے متاثر ہیں۔ مگر ہے تو یہ اولاً ایک عقیدے اور عقیدتمندی کا معاملہ۔ اس وقت میرے سامنے ایک ایسا ترجمہ ہے جس میں مترجم ہر ادھیائے کے شروع میں ایک کہانی سناتا ہے اور بتاتا ہے کہ ایک عقیدتمند نے کس طرح اس ایک ادھیائے کا پاٹھ کر کے جنم جنجال سے چھٹکارا پایا اور مکتی حاصل کی۔ مطلب یہ کہ اردو میں ایک اچھی خاصی تعداد ان ترجموں کی بھی ہے جو عقیدتمند ہندوؤں نے اپنے جوش عقیدت میں کیے ہیں۔ ان کے ترجمے اپنی ایک معنویت رکھتے ہیں۔

اصل میں تو مجھے اعتراض علما و محققین کی تفہیم اور تعبیروں پر ہے۔ ڈاکٹر مالک رام نے یہ شک بھرا سوال اٹھایا ہے کہ پوری گیتا اپنی پڑھائی کے لئے کم و بیش چار گھنٹے مانگتی ہے۔ ایسے وقت میں جب طبل جنگ بج چکا ہے، یہ سورما اتنے لمبے مکالمہ کے کیسے متحمل

ہو سکتے تھے۔ یہ سوال ایک مخصوص محققانہ ذہنیت کی چغلی کھاتا ہے۔ بڑے تخلیقی کارناموں کی عظمت کا راز محققوں کی سمجھ میں بالعموم نہیں آتا۔ وہ راز تعقل کے زور پر تو واقعی نہیں سمجھا جاسکتا۔ ایسے سوالات بالعموم محققوں کے تعقل کی پیداوار ہوتے ہیں۔

محمد اجمل خاں نے اپنے ترجمہ کے دیباچہ میں ان شخصیتوں کا ذکر کیا ہے جنہوں نے گیتا کے بیان کو ایک تمثیل کے طور پر سمجھا ہے مگر از راہِ احترام گاندھی جی کا نام نہیں لیا۔ حالانکہ ایسی تعبیر تو سب سے بڑھ کر انہوں نے کی ہے۔ اور انہیں کرنی بھی چاہئے تھی۔ کیونکہ ایک طرف تو انہوں نے گیتا کو حرزِ جان بنا رکھا تھا، دوسری طرف وہ اہنسا کے پرچارک تھے جبکہ یہاں سری کرشن جی ارجن کو یہ سمجھا رہے ہیں کہ اس وقت اگر تم نہیں لڑو گے تو اپنے فرض سے کوتاہی کرو گے۔ تو گاندھی جی کے لئے اس کے سوا کیا چارہ تھا کہ کچھ اس قسم کی توجیہ کریں کہ یہ باطن میں برپا جنگ کا علامتی بیان ہے۔ مگر اس قسم کی توجیہ کا تقاضا یہ ہے کہ ہم گیتا کو مہابھارت سے الگ کر کے دیکھیں یعنی اس سیاق وسباق سے الگ کر کے جو ایک قیامت خیز جنگ سے عبارت ہے۔ ایسی جنگ جس میں پوری کورو نسل نیست و نابود ہوگئی اور پانڈوؤں کا سارا نسلی سلسلہ منقطع ہو گیا۔ لے دے کے ایک مرا ہوا بچہ پیدا ہوا جسے کرشن جی نے اپنے اس اعجاز مسیحائی سے زندہ کیا جو ان سے منسوب ہے۔ گاندھی جی کے لئے اس جنگ کے روبرو ہونا یوں بھی تو مشکل تھا کہ اس میں ایسی ہستیاں ملوث تھیں جو ہندو عقیدے کے حساب سے برگزیدہ ہستیاں ہیں۔ مگر گیتا کو اس پس منظر سے جدا کر کے دیکھنا ایسا ہی ہے کہ آپ 'ہملٹ' میں باقی پورے ڈرامے کو فراموش کر دیں اور ہملٹ کی خود کلامی پر داد دینی شروع کر دیں کہ واہ واہ کیا کمال کی بات کہی ہے۔

وہ کیا صورت حال تھی جس میں یہ خطبہ دیا گیا اور کیا حالات تھے جنہوں نے سری کرشن کو یہ ثابت کرنے پر مجبور کیا کہ اس وقت تلوار اٹھانا اعلان حق کے مترادف ہے۔ یہ جاننے اور سمجھنے کے لئے اس قصے کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے جو مہابھارت میں تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ عجب قصہ ہے۔ ایک ہی کنبہ۔ چچا تائے کی اولاد، ایک ہی محل میں پلے

بڑھے اور تخت و تاج کے جھگڑے میں پڑ کر ایک دوسرے کے لئے دشمن ہوئے کہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو گئے۔ بیر تو اصل میں کورو برادران نے باندھا تھا۔ سب سے بڑھ کر سو بھائیوں کا بڑا بھائی دریودھن جو پانڈوؤں کی جان کا دشمن بن گیا۔ اس کے ہاتھوں پانڈوؤں کو کتنا خوار ہونا پڑا۔ کتنے برس دربدر خاک بسر پھرے۔ دروپدی کی سر دربار تذلیل بھی دیکھ لی۔ آخر کے تئیں پانی سر سے اونچا ہو گیا۔ نیاموں سے تلواریں نکل آئیں۔ کوروکشیتر کے میدان میں ایک دوسرے کے مقابل خم ٹھونک کر کھڑے ہو گئے۔ اب وہ وقت ہے کہ نقارے پہ چوٹ پڑ چکی ہے۔ سنکھ پھونکے جا رہے ہیں۔ تیر چلوں میں جوڑے جا چکے ہیں۔ شمشیریں نیاموں سے نکلی ہوئی ہیں۔ مگر عین اس گھڑی ارجن مخالف فوجوں پہ نظر ڈالتا ہے اور دیکھتا ہے کہ وہاں تو سب اس کے بھائی برادر ہیں۔ یہ نقشہ دیکھ کر کانپ جاتا ہے اور تیر کمان الگ رکھ دیتا ہے:

مقابل درونا و بھیشم سے بیر
چلیں ان بزرگوں پہ کس طرح تیر
نہیں ہے مرے تن میں تاب و تواں
یقین دل سے غائب، ہے غالب گماں

تب سری کرشن لب کشا ہوتے ہیں، فنا و بقا کے اسرار سے پردہ اٹھاتے ہیں سو:

ہے محدود جسم اور جاں بے کنار
ہے جاں سب میں ایک اور بدن بے شمار
بدن کی یہ سب صورتیں ہیں لباس
بدلتی نہیں جن سے جاں کی اساس
اگر جامہ ناپاک ہو یا کہن
ہے بہتر اتر جائے وہ پیرہن
جو آلودہ ہو پیرہن پھینک دے

اسی طرح جاں یہ بدن پھینک دے

میں نے ابھی عرض کیا کہ گیتا کے کچھ اور اردو ترجمے بھی میری نظر سے گذرے ہیں اور اس وقت بھی پیش نظر ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ گیتا تو ایک ایسی فکر کی نمائندہ ہے، کہہ لیجئے ویدانتی فکر جس کی اپنی ایک زبان ہے اور پس منظر میں اپنی ایک تہذیب ہے۔ ادھر اردو نے اپنا فکری محاورہ ایک الگ مذہبی اور تہذیبی روایت کے زیر اثر وضع کیا ہے۔ تو گیتا جیسے دقیق کلام کا جب اس زبان میں ترجمہ کیا جاتا ہے تو کرنے والا بھی ٹھوکریں کھاتا ہے۔ اس سے زیادہ پڑھنے والا ٹھوکریں کھاتا ہے۔ شان الحق حقی کا ترجمہ پڑھتے ہوئے میں آغاز ہی میں ٹھوکر کھا گیا۔

یہ پوچھا رائے دسرتھ نے

دسرتھ، یہ تو رامائن کا کردار ہے۔ رامچندر جی کے والد بزرگوار، گیتا میں ان کا کیا کام ہے۔ یہاں تو دھرت راشٹر ہے جو سنجے سے پوچھ رہا ہے کہ اے عزیز! مجھے بتا کہ اس وقت کوروکشیتر میں کیا نقشہ ہے۔ مگر حقی صاحب نے حاشئے میں لکھا ہے کہ دھرت راشٹر عرفِ عام میں دسرتھ۔ شاید ایسا ہی ہو۔ مگر گیتا میں اور مہابھارت میں شروع سے آخر تک ہم دھرت راشٹر کا نام دھرت راشٹر ہی سنتے چلے جاتے ہیں۔ اسی نام سے ہم مانوس ہیں جب حقی صاحب دسرتھ کہتے ہیں تو میرا ذہن بھٹک کر رامائن کی طرف چلا جاتا ہے۔ مگر حقی صاحب کی بھی اپنی ایک مجبوری تھی۔ جو بہ جبر انہوں نے چنی ہے اس میں دھرت راشٹر کا نام کھپتا ہی نہیں۔ مگر میں حیران ہوں کہ ہمارے بزرگ خلیفہ عبدالحکیم نے قدیم ہندو اسما اور اصطلاحات کو کس خوش اسلوبی سے اپنے منظوم بیان میں بھر دیا ہے کہ کہیں ذہن کو جھٹکا نہیں لگتا۔

اگر مہرشی تو بھر گو سمجھ
گلستان عرفاں کی خوشبو سمجھ

میں گویائی میں الف 'واؤ' میم
کہ ہے رسمِ اعظم یہ لفظ قدیم
درختوں میں پیپل کا ہوں میں درخت
تو رشیوں میں ہوں ناردِ نیک بخت
گندھربوں میں ہوں میں چتررتھ مثال
کپل سا ہوں سدھوں میں میں باکمال
جو سانپوں میں پوچھو تو ہوں باسکی
کہ ہے خوفناک اس میں قوت بھری
میں چھندوں میں گائیتری چھند ہوں
دل افروز نغموں سے خورسند ہوں
مہینوں میں ساکھ اور رتوں میں بسنت
اگرچہ نہ آغاز میرا نہ انت
مجھے یادوں میں سمجھ واسدیو
فروتر ہیں سب جس سے انسان و دیو

اصل میں خلیفہ صاحب کی جیت یہ ہے کہ وہ افکار و تصورات کی دنیا کے آدمی ہیں اور فلسفہ کے شناور ہیں۔ اور پھر اردو زبان و بیان پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔ اور اگرچہ وہ اسلامی افکار و تصورات کے شارح کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں مگر یہ قبیح حرکت انہوں نے کہیں نہیں کی ہے کہ ویدانتی فکر نے جو اپنی زبان بنائی ہے اور اپنی اصطلاحات وضع کی ہیں انہیں اندھا دھند اسلامی نظام فکر کے تحت وضع کردہ اصطلاحات میں منتقل کرتے چلے جائیں اور سمجھ لیں کہ ترجمہ کا حق ادا ہو گیا۔ چونکہ وہ اردو میں ترجمہ کر رہے ہیں اسلئے حسب ضرورت وہ اس زبان اور ان اصطلاحات سے مدد ضرور لیتے ہیں اور واقعی بڑی سہولت کے ساتھ ان تصورات کو جو گیتا میں زیر بحث

آئے ہیں، اردو میں منتقل کر دیتے ہیں۔ اتنی سہولت سے کہ وہ ہمارے ذہن نشین ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اور ادھر ان کے شعری بیان میں کہیں کھنڈت نہیں پڑتی۔ شعری بیان کی روانی برقرار رہتی ہے۔ ذرا یہ بیان دیکھئے

ستوگن رجوگن تموگن کی قید
بناتی ہے یہ روحِ انسان کو صید

اب ان تصورات کی تشریح ملاحظہ فرمایئے:

ستوگن کا ہو روح میں جب وفور
تو نکلے بدن کے دریچوں سے نور
جب آئے رجوگن کے ہاتھوں میں باگ
تو جذبات کی پھر بھڑکتی ہے آگ
تموگن کا ہے روح پہ ہر یہ اثر
اندھیرا، تغافل، فریبِ نظر
ستوگن ہے وابستہ عرفان سے
مگر حرص پیدا ہے ہیجان سے
ستوگن کا گرمن میں انداز ہے
بہت دور تک اس کی پرواز ہے

اور جو شخص ان مراحل اور مراخل کو جان لے اس کے لئے راوی چین لکھتا ہے

ولادت نہ موت اور نہ پیری ہے پھر
نہ رنج اور غم کی اسیری ہے پھر
سمجھ لو پیا اس نے امرت کا جام
ہوئی اس کو حاصل بقائے دوام

ہاں ایک بیان اور دیکھ لیجئے، جب سری کرشن اپنا دیوتائی جلوہ دکھاتے ہیں تو قہر وجلال سے لبریز اس جلوے سے ارجن پر پہلے تو ایک ہیبت طاری ہو جاتی ہے۔ پھر وہ سر نیاز خم کرتا ہے۔

نہیں حد تری تو ہے برتر الٰہ
تو ہے سب جہانوں کی جائے پناہ
تجھی سے ہے سارا وجود وعدم
تجھی سے ہے قائم حدوث اور قدم
تو ہے ظرف بھی اور مظروف بھی
تو عارف بھی ہے اور معروف بھی
تمہیں آگ ہو اور تم ہی ہو ہوا
ہو ہر جاپتی اور پتا کے پتا
نمکار ہو تم کو ہر صبح و شام
سلام اور سلام اور سلام اور سلام

دیکھا آپ نے بیان میں کتنی روانی اور سلاست ہے۔ قدیم ہندو اسما، مصطلحات، تصورات بیچ بیچ میں آئے ہیں مگر کہیں بھی اردو کے مزاج میں درہمی پیدا نہیں کرتے اور نہ شعری بیان میں رخنہ ڈالتے ہیں۔ اور ہاں خلیفہ عبدالحکیم تو عالم فاضل ہیں۔ فضلا جب شاعری کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو ان کی علمی ثقاہت اور ان کی فاضلانہ شان یہاں بھی ان کا پیچھا نہیں چھوڑتی۔ ایسی ہی کسی صورت حال کے پیش نظر محمد حسین آزاد نے کہا تھا کہ دودھ میں مصری کی ڈلیاں بہت ہیں جو دانتوں کے بیچ آ کر کڑ کڑ بولتی ہیں۔ مگر عجب ہے کہ اس نظم میں لگتا ہے کہ ساری مصری کی ڈلیاں دودھ میں گھل گئی ہیں۔ کوئی ڈلی دانت کے بیچ آ کر کڑ کڑ نہیں بولتی۔

باقی اردو ترجموں کو کیا منثور کیا منظوم، سامنے رکھئے اور پھر اس ترجمہ کو دیکھئے۔

بیان اتنا شفاف ہے کہ گیتا کے مطالب و معانی دوسرے اردو ترجموں کے مقابلہ میں یہاں زیادہ قابل فہم معلوم ہوتے ہیں۔ باقی قاری کی اپنی استعداد پر ہے کہ وہ ان مطالب و معانی تک کتنی رسائی حاصل کرتا ہے۔ آخر یہ گیتا ہے معمولی بیان تو نہیں۔ اس کی اپنی گہرائیاں، بلندیاں اور تہیں ہیں۔ اور پھر اس بیان کی فلسفیانہ جہت کے ساتھ ساتھ ایک الہامی شان بھی تو ہے۔ فلسفیانہ جہت کا خلاصہ تو الڈس ہکسلے نے یہ کہہ کے کردیا کہ بھگوت گیتا صحیفوں کی دنیا میں Perennial Philosophy (پتہ نہیں اردو میں اسے کیا کہیں گے، فلسفۂ دوامیت یا فلسفۂ جاوداں) کا شاید سب سے زیادہ منظّم اور مرتب بیان ہے۔ اور اس کی دانست میں یہ ایسا فلسفہ ہے جس کے اجزاو عناصر سب ہی روایتی مذاہب میں جلوہ گر نظر آتے ہیں۔ سمجھ لیجئے کہ یہ مذاہب کے درمیان مشترک جز و اعظم ہے۔ دوسروں نے اسے ویدانتی فلسفہ بتایا ہے۔ اور پروہت سوامی نے اس کا انگریزی ترجمہ ڈبلیو بی ئیٹس کو یہ کہہ کے پیش کیا کہ اے متر گیتا کو پڑھ۔ اس میں اپنشدوں کا عطر کھنچ آیا ہے۔ اصل میں پروہت سوامی اور ئیٹس نے مل کر اپنشدوں کا ایک انتخاب انگریزی ترجمہ میں پیش کیا تھا۔ گیتا کا ترجمہ انہوں نے بلا شرکت غیرے کیا۔ جھوٹ کیوں بولوں، میں نے اردو ترجموں سے ذرا ہٹ کر اس ترجمہ کو اور اشروڈ کے ترجمہ کو جو اس نے سوامی پربھانند کے ساتھ مل کر کیا تھا، پیش نظر رکھا ہے کہ یہ دونوں براہ راست سنسکرت سے ترجمہ ہوئے ہیں۔ اور انہیں سامنے رکھ کر خلیفہ صاحب کے ترجمہ کو پڑھا۔ ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ ان علما نے گیتا کی فلسفیانہ جہت پر بہت زور دیا ہے۔ مگر اس فلسفیانہ بیان کے بیچ سے ایک اور ہی طرح کا بیان نمود کرتا نظر آتا ہے۔ قہر و جلال سے لبریز بیان۔ بس جیسے ہم ایک الوہی جلال کے روبرو ہیں اور ایک تجلی کی چکا چوند میں ہیں ؎

ہزاروں ہی آنکھیں ہزاروں ہی دہن
عجب تن پہ زیور، عجب پیرہن

جو چمکیں بیک وقت سو آفتاب
وہ ہوں سامنے اس کے بے آب وتاب
ادھر ارجن محو حیرت ہے کہ یہ کرشن کا کونسا روپ ہے
ہر اک طرح کے سانپ پر نور ہیں
رشی بھی ترے تن میں مستور ہیں
بہت سینے، منہ، اور آنکھیں کئی
عیاں صورتیں ہیں نئی سے نئی
ہر اک سمت پھیلا ہوا اک وجود
نہ اس میں تعین نہ اس میں حدود
کئی دانت تیرے کئی اک دہن
کئی لاکھ آنکھیں ہیں شعلہ فگن
نکلتے ہیں آنکھوں سے تیری شرر
جنہیں دیکھ کر مجمع کو لگتا ہے ڈر
بڑے سورما اور بڑے حکمراں
جنہیں دیکھ کر کانپتا تھا جہاں
ڈھکیلے لئے جارہی ہے اجل
ترے منہ میں جاتے ہیں سب سر کے بل
پتنگے گریں شمع پر جس طرح
ترے منہ میں گرتے ہیں یہ اس طرح
انہیں کھا کے ہے تو زباں چاٹتا
اسی طرح سارا جہاں چاٹتا
یہ ہیبت کی آگ اور نارِ جلال

جہاں جل اٹھا اس سے اے لایزال
ہے کس ذات کا یہ جلالی ظہور
حقیقت میں کیا ہیں یہ نار اور نور

بھلا ایسے وقت میں یہ سوال اٹھایا کرتے ہیں کہ اس بیان میں کتنا وقت صرف ہوا ہوگا۔ اور یہ کہ وہ تو جنگ کا ہنگام تھا۔ اتنے لمبے مکالمہ کے لئے کیسے مہلت مل گئی۔ کیسا وقت اور کہاں کی جنگ، یہاں زمان و مکاں کی طنابیں کھنچی ہوئی ہیں۔ سورما، ان کی فوجیں، ان کے طبل و علم، ان کے ہاتھی گھوڑے، ان کے رتھ سب فنا کے رستے سے دوڑے چلے جا رہے ہیں اور ایک کائناتی دہن میں کہ بھاڑ کی طرح کھلا ہے بھنگوں کی مثال گرتے چلے جا رہے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ یہ ایسا بیان ہے جو تقاضا کرتا ہے کہ آپ اپنے تعقل، اپنی منطق، اپنی تحقیقی موشگافیوں کو بالائے طاق رکھیں، بس تخیل کی آنکھ کھلی رکھیں۔ سمجھ لیں کہ ہم کہیں سنجے کے آس پاس کھڑے ہیں اور ہماری آنکھیں اس کی آنکھوں کے ساتھ ساتھ کوروکشیتر کی ساری رن بھومی کا چکر کاٹ کے دو ذاتوں پر مرکوز ہوگئی ہیں اور کان میدان جنگ کے سارے شور کو فراموش کر کے ان کے کہے کو سن رہے ہیں۔ باقی جو ہم پڑھ رہے ہیں وہ تو کئی زبانوں کی چھلنی سے چھن کر ہم تک پہنچا ہے۔ اور کتنی اچھی بات ہے کہ ہمارے زمانے میں ہماری ایک جانی مانی علمی شخصیت نے اس بیان کو اردو نظم کے سانچہ میں ڈھالا ہے۔

انتظار حسین

۱۲/اپریل ۲۰۰۶ء

پروفیسر ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم ——— تعارف

پروفیسر ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم (مرحوم) برصغیر ہندو پاکستان کے نامور فلسفی، بلند پایہ مصنف، خوش گو شاعر اور روشن خیال مفکر و ادیب تھے، جن کے افکار و نظریات نے انہیں اپنے شاگردوں اور ہم عصروں میں ایک ممتاز مقام عطا کیا اور عمر کے آخری دس سال میں، جوان کی زندگی کا اہم ترین دور ثابت ہوا، ان کے قلم کے جوہر کھلے اور انہوں نے روشن خیال مفکروں میں نمایاں حیثیت حاصل کر لی۔

خلیفہ صاحب کشمیری نژاد تھے۔ ۱۸۹۳عیسوی میں لاہور میں پیدا ہوئے اور وہیں میٹرک تک تعلیم پائی۔ پھر علی گڑھ سے ۱۹۱۳ء میں ایف۔ اے۔ کا امتحان پاس کرنے کے بعد سینٹ اسٹیفن کالج، دہلی سے بی۔اے۔ اور ایم۔اے۔ کے امتحانوں میں یونیورسٹی میں اوّل رہے اور یوں ان کی خداداد صلاحیتیں ایک تابناک مستقبل کی نشاندہی کرنے لگیں۔ پھر لاہور واپس آکر ایل۔ایل۔بی۔ کی سند حاصل کی۔ لیکن انہیں وکالت سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ جلد ہی انہیں اپنے رجحان کے مطابق کام مل گیا۔ ۱۹۱۹ء میں حیدر آباد (دکن) میں عثمانیہ یونیورسٹی کے قیام کے بعد بطور معاون پروفیسر، شعبۂ فلسفہ سے منسلک ہو گئے اور دو سال بعد تعلیمی رخصت لے کر ہائیڈل برگ یونیورسٹی جرمنی چلے گئے اور ۱۹۲۵ء میں پی ایچ۔ڈی۔ کی ڈگری لے کر حیدر آباد واپس

لوٹے۔ جہاں انہیں فلسفہ کا پروفیسر اور صدر شعبہ بنا دیا گیا اور جامعہ عثمانیہ ہی سے بطور صدر شعبہ فنون ۱۹۴۹ء میں ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ اس دوران تین برس ڈیپوٹیشن (Deputation) پر سری نگر کشمیر میں بھی گزرے جہاں پرنسپل امر سنگھ کالج اور پھر ڈائریکٹر تعلیمات کے عہدوں پر فائز رہے۔

۱۹۴۹ء میں خلیفہ صاحب پاکستان آگئے اور ۱۹۵۰ء میں انہوں نے لاہور میں ادارہ ثقافت اسلامیہ قائم کیا اور آخری وقت تک اس کے ڈائرکٹر رہے۔ ان کی بیشتر تصانیف اسی دور میں منظر عام پر آئیں۔ یہ ادارہ ان کی نظر میں غیر معمولی اہمیت کا حامل تھا جس کا بنیادی نقطہ نظر اسلامی افکار کی از سر نو تشکیل کر کے مذہب کی اساسی قدروں اور عصری تقاضوں میں ہم آہنگی پیدا کر کے اسلام کے عالمگیر اور ترقی پذیر اصولوں کو اس طرح پیش کرنا ہے جس سے اس کی متحرک اور حیات بخش قوت اجاگر ہو سکے۔ ''اسلامک آئیڈیالوجی''، ''اسلام اینڈ کمیونزم'' اور ''پروفیٹ اینڈ ہیز میسیج'' (Prophet & his Message) ان کی گراں قدر انگریزی تصنیفات ہیں۔

مولانا جلال الدین رومی سے خلیفہ صاحب کو گہرا شغف تھا۔ ان کی تصنیف Metaphysics of Roomi ۱۹۲۳ء میں شائع ہوئی اور ادارہ ثقافت اسلامیہ نے ''حکمت رومی'' اور ''تشبیہات رومی'' شائع کیں۔ رومی کے افکار کو انہوں نے تشبیہ و تمثیل کے آئینہ میں دیکھا، جس کے ذریعے روحانی اور اخلاقی پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی۔

خلیفہ صاحب مرزا غالب کے بڑے قدر شناس تھے۔ ''افکار غالب'' لکھ کر انہوں نے غالب کی شاعری کے مختلف پہلوؤں پر حکیمانہ بحث کی اور اس کے فلسفیانہ افکار کے مختلف پہلوؤں کی سیر حاصل تشریح پیش کی۔

عصر حاضر کے عظیم ترین شاعر اور مفکر علامہ اقبال کے نظریات سے خلیفہ

صاحب بے انتہا متاثر تھے۔ ''فکر اقبال'' جیسی مستند ترین کتاب لکھ کر اقبالیات میں انہوں نے ایک گراں قدر اضافہ کیا جس میں اقبال کی شاعری اور فلسفہ پر فکر انگیز خیالات پیش کئے گئے ہیں۔ قیام پاکستان کے ابتدائی دور میں مملکت کی نظری، علمی اور عملی سرگرمیوں میں انہوں نے فعال کردار ادا کیا۔

خلیفہ صاحب دور طالب علمی سے ہی فطری طور پر غیر معمولی ذہانت، علمی اور ادبی ذوق اور بلند مذاقِ سخن کے مالک تھے۔ گو کہ شاعری کو انہوں نے بعد میں اپنے خیالات کے اظہار کا باضابطہ ذریعہ نہیں بنایا۔ لیکن جس قدر کلام وقتاً فوقتاً لکھا اس میں ان کے متحرک و متوازن ذہن اور دردمند دل کے گوشے بے نقاب ہوتے ہیں اور ان سے ان کی وسیع المشربی اور فلسفیانہ افتادِ طبع کا واضح ثبوت ملتا ہے۔

بھگوت گیتا کی بلند پایہ تعلیمات سے متاثر ہو کر خلیفہ صاحب نے انگریزی اور اردو نثری و منظوم ترجموں کو پڑھا۔ ان میں شوق و تجسس پیدا ہوا کہ اس الہامی کتاب کی روح کو برقرار رکھتے ہوئے نیز شعریت کے تقاضے مدنظر رکھتے ہوئے اس کا ترجمہ کیا جائے۔ ہمیں امید ہے کہ ان کی یہ کاوش ''گیتا'' کے مختلف ترجموں میں ایک قابل تحسین اضافہ کرے گی، جس سے برصغیر کے بیشتر لوگ فائدہ اٹھا سکیں گے۔

پروفیسر ڈاکٹر رفیعہ حسن ــــــــــ تعارف

(جن کی عنایت سے یہ منظوم اردو گیتا اردو اور ہندی رسم الخط میں طبع ہوئی)

پروفیسر ڈاکٹر رفیعہ حسن، ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم کی صاحبزادی ہیں۔ ان کی ابتدائی تعلیم حیدرآباد دکن میں ہوئی۔ کنیئرڈ کالج لاہور سے بی۔اے۔اور گورنمنٹ کالج لاہور سے ایم۔اے۔(نفسیات) درجہ اول میں پاس کرنے کے بعد ہارورڈ یونیورسٹی سے ۱۹۵۲ء میں ماسٹران ایجوکیشن کی سند حاصل کی اور ۱۹۶۴ء میں لندن سے پی ایچ۔ڈی (Ph.D) نفسیات کے مضمون میں کیا۔

ڈاکٹر رفیعہ حسن نے ملازمت کی ابتدا سندھ یونیورسٹی حیدرآباد سندھ سے ۱۹۵۴ء میں کی اور دس سال تک وہاں صدر شعبہ نفسیات رہیں۔اس کے بعد وہ پنجاب یونیورسٹی لاہور سے منسلک ہوگئیں اور قریباً پچیس برس تک پہلے معاون پروفیسر اور پھر پروفیسر اور صدر شعبہ رہیں۔ نیز انہیں سینٹر برائے کلینیکل سائیکولوجی کا بانی ڈائرکٹر ہونے کا شرف حاصل ہوا اور ۱۹۹۰ء میں ریٹائر ہوئیں۔ دوران ملازمت متعدد تحقیقی مقالے اندرون و بیرون ملک پیش کئے اور اطلاقی نفسیات کے مختلف پہلوؤں پر پیشہ وارانہ لیکچر اور مشاورت فراہم کی۔ پیشہ وارانہ نفسیات کے حوالے سے آج بھی کئی خواتین اور بچوں سے متعلق اداروں میں خدمات پیش کررہی ہیں۔

شریمد بھگوت گیتا ——— تعارف

دنیا میں جن صحائف کو غیر معمولی تقدس، شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی اور جن کو ہزار ہا سال سے لاتعداد انسانوں نے اپنی مادی اور روحانی زندگی کی بقا و ترویج کے لئے رشد و ہدایت کا منبع تصور کر کے استفادہ کیا، ان میں شریمد بھگوت گیتا کا بھی شمار ہوتا ہے۔ لفظ ''گیتا'' گیت سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں ''نغمہ'' اور پورے صحیفہ کا نام ''بھگوت گیتا'' ہے یعنی ''نغمۂ الٰہی''۔ بھگوت گیتا اگرچہ بنیادی طور پر ہندو دھرم کی کتاب ہے لیکن اس کے مداحوں میں مذہب و ملت کی کوئی تفریق نہیں۔

ہندو مذہب کی بنیادی تعلیم کا سرچشمہ وید ہیں۔ ہندو مذہب کے ماننے والوں کا یہ عقیدہ ہے کہ وید الہامی (شروتی) صحائف ہیں اور یہی ان کے عقیدے اور مذہب کی اساس ہیں۔ بعد کے ہندو علماء نے ان سے رسوم اور قانونی مسایل کو الگ کر کے خالص عقائد اور مسایل سے متعلق فلسفیانہ اور عالمانہ بحث کی اور اس طرح متعدد تصانیف عالم وجود میں آئیں جو مجموعی طور پر ''اُپ نیشد'' کہلائیں۔ یہ ''اُپ نیشد'' مذہبی عقائد میں شامل ہیں اور ویدوں کا ہی جز شمار ہوتے ہیں اور انہیں کے ساتھ ہندو دھرم کا بنیادی عقیدہ اور فلسفہ مکمل ہو جاتا ہے۔ اسی لئے انہیں ''ویدانت'' یعنی

''ویدوں کا انت'' (اختتام) کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ آریائی فلسفہ پہلی بار مربوط طور پر''اُپ نیشدوں'' ہی میں ملتا ہے۔ وہ تمام کتابیں جو''اُپ نیشدوں'' کی تفسیر و تعبیر میں لکھی گئی ہیں یا جن میں انہی بنیادوں پر نئے فکری نظام مرتب کئے گئے ہیں انہیں ''سمرتی'' کہتے ہیں یعنی وہ کتابیں جو یاد رکھی گئیں اور روایت کے حصے کے طور پر حاصل ہوئیں۔ گو بھگوت گیتا کا زمانۂ تصنیف ''اُپ نیشدوں'' کے بعد کا ہے۔ لیکن اسے بھی ''اپ نیشد'' کا درجہ دیا گیا ہے مگر اسے ویدوں کا حصہ تسلیم نہیں کیا جاتا۔

''گیتا'' ہندو اوتار شری کرشن جی سے منسوب ہے۔ جس کا لب لباب یہ ہے کہ ''مہابھارت'' کی مشہور جنگ میں جب طویل کشمکش کے بعد کوروؤں اور پانڈوؤں کی فوجیں ایک فیصلہ کن جنگ کے لئے ''کروکشیتر'' کے میدان میں ایک دوسرے کے مقابل صف آراء ہوئیں تو پانڈوں کے سپہ سالار ''ارجن'' نے اس کے ''سارتھی'' یا ''رتھبان'' شری کرشن جی سے کہا کہ وہ رتھ کو دونوں افواج کے درمیان کسی ایسی جگہ پہ کھڑا کریں جہاں سے وہ مخالف فوج کا بھرپور جائزہ لے سکے۔ لہٰذا شری کرشن جی نے رتھ کو ایسے مقام پر لا کھڑا کیا جو ''جیوتی سر'' کے نام سے موسوم ہے۔ ''ارجن'' نے جب کوروؤں کی فوج پر نظر دوڑائی تو اسے ان کی صفوں میں بزرگ دادا، قابل احترام گرو (استاد)، چچا، بھائی بند اور عزیز و اقارب نظر آئے۔ یہ منظر دیکھ کر ''ارجن'' کا دل فرطِ جذبات سے بھر آیا۔ اس نے شری کرشن جی سے کہا کہ وہ ان قابل احترام بزرگوں، اساتذہ اور عزیزوں سے کشت و خون کے لئے تیار نہیں چونکہ ایسا تاج و تخت اور تسلط جس کے پائے ایسے عزیز و اقارب کی لاشوں پہ دھرے ہوں بے مقصد اور لاحاصل ہے۔

شری کرشن جی نے جن کے زندگی کی غرض و غایت شرپسند کوروؤں کو سزا دینا اور صفحۂ ہستی سے مٹا دینا تھی جو ظلم، فساد، شر اور ناانصافی کے موجب تھے۔ اس وقت

انہوں نے ''ارجن'' کی فہمائش کرتے ہوئے اسے بتایا کہ زندگی کا اصل اور بنیادی مقصد ''دھرم'' (فرض) کی پابندی اور ادائیگی ہے۔ اور اس فرض کی ادائیگی کی خاطر جو جزا یا سزا صادر کرنا پڑے اس سے اپنی ذات کا کوئی سروکار نہیں۔ بحیثیت ایک شتریہ اس کا فرض ہے کہ وہ دوسروں کے حقوق کی حفاظت کرے اور اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو وہ مجرم گردانا جائے گا اور جس کے لئے وہ ناقابل معاف ہے۔ بالآخر کافی پند ونصیحت اور فہمائش کے بعد ''ارجن'' جنگ پر آمادہ ہوا جس میں بے دریغ قتل وخون کے بعد پانڈوؤں کو فتح اور کوروؤں کا شکست فاش ہوئی۔ یہ مکالمہ جو شری کرشن جی اور ''ارجن'' کے درمیان ہوا وہی ''گیتا'' کی صورت میں مرتب کیا گیا۔ یہ پوری کتاب مکالمے کے انداز میں منظوم لکھی گئی ہے اور ''مہابھارت'' ہی کا حصہ ہے۔ یہ اصل رزمیہ کے بہت بعد دوسری یا تیسری صدی مسیح میں لکھی گئی اور رزمیہ کا دیہ میں اس مقام پر جوڑ دی گئی جہاں کوروؤں اور پانڈوؤں میں جنگ شروع ہونے سے پہلے صف آرائی کا منظر ہے۔

ھُو الحق

ہری اوم تت ست

پہلا ادھیائے

دھرت راشٹر نے پوچھا:

کوروکشیتر میں آئے جب بہر جنگ
وہاں تھا لڑائی کا کیا رنگ ڈھنگ

مرے پوتوں اور پانڈووں نے وہاں
کیا جو کچھ اس کو تو کر دے بیاں

سنجے نے کہا:

صف آرا تھا جب لشکرِ پانڈواں
اٹھا دریودھن راجۂ کوراں

گرو سے کہا دیکھ آچاریہ
ہیں آمادۂ جنگ کیا آریہ

کھڑی پانڈووں کی ہیں فوجیں تمام
یہ پورِ دروپد کا ہے انتظام

بہادر ہیں یہ ہفت اقلیم کے
برابر ہیں یہ ارجن اور بھیم کے

لڑائی میں کیا جوش سے پُر ہیں یہ
لڑی میں پروئے ہوئے دُر ہیں یہ

ہمارے بھی ساتھی ہیں کیسے جری ... بہت جن کی دشوار ہے ہمسری

ہیں آپ اور بھیشم کرپ اور کرن ... بدن ان کے پولاد و آہن شکن

اِدھر میر بھیشم سا سالار ہے ... ہمارے عساکر کا سردار ہے

اُدھر پانڈوؤں کا ہے سالار بھیم ... جسے دیکھ کر موت کو بھی ہو بیم

ہر اک طرح کے ان کے ہتھیار ہیں ... یہ سب جان دینے کو تیار ہیں

یہ ماہر ہیں جنگ آزما جنگ جُو ... بڑے تیز پیکار اور تند خُو

نہیں ان سے ہیٹے شجاعت میں ہم ... مگر اپنی فوجیں ہیں گنتی میں کم

ہے واجب سب اس کے نگہبان ہوں ... حفاظت میں بھیشم کی قربان ہوں

○
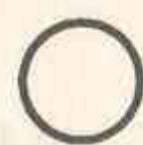
بجا سنکھ بھیشم کا اس زور سے ... کہ رن تھرتھرا اُٹھا اس شور سے

پھنکے سنکھ اور ڈھول بجنے لگے ... ببر شیر گویا گرجنے لگے

اٹھا شورِ پیکار ہر ساز سے ... فضا گونج اٹھی ان کی آواز سے

وہ ہیبت تھی سارا جہاں ہل گیا ... زمیں کانپ اٹھی آسماں ہل گیا

دھنش دھاریوں کی تھیں فوجیں تمام ... تلاطم درآغوش موجیں تمام

دہن موت کا ہر طرف باز تھا ... کہ ہر سورما قادر انداز تھا

تھا اک رتھ میں ارجن کماں تھام کر
کھڑی تھی قضا آسماں تھام کر

سری کرشن کے ہاتھ میں تھی عناں
وہ رتھ میں جیسے بدن میں ہو جاں

○

ارجن نے سری کرشن سے کہا:

ذرا رتھ کو اے جانِ جاں روک لے
دو افواج کے درمیاں روک لے

کہ اعدا کو دیکھوں ذرا غور سے
ہیں آمادۂ جنگ کس طور سے

میں ان کو ذرا اِک نظر دیکھ لوں
نگاہوں سے اڑتے شرر دیکھ لوں

جو دیکھا تو نظارہ تھا اک عجیب
کہ دشمن تھے سارے عزیز و قریب

وہاں پر تھے اپنے ہی سب روبرو
کوئی تھا بزرگ اور کوئی گرو

طبیعت پہ طاری ہوا رنج و غم
بہادر کھڑا تھا سراپا الم

شجاعت وہاں کالعدم ہوگئی
زباں خشک اور آنکھ نم ہوگئی

بدن پر کھڑے ہو گئے رونگٹے
یگانوں سے کس طرح کوئی لڑے

لگاؤ ہے جن سے ہو کیوں اُن سے لاگ
مرے تن بدن میں سلگتی ہے آگ

سب اپنے عزیزوں کا ہے سامنا
ہے مشکل کماں ہاتھ میں تھامنا

نظر آرہے ہیں سب الٹے شگوں
گراؤں میں کس طرح اپنوں کا خوں

حکومت ہی کیا گر وہی چل بسے | کہ جیتا ہے انسان جن کے لئے
یہ فتح و حکومت یہ سوز و سرور | ہیں بیکار خویش و اقارب سے دور
گرو ہے کوئی تو کوئی باپ ہے | کروں قتل ان کو تو یہ پاپ ہے
میں کونین لے کر نہ ایسا کروں | انہیں مار کر کس کی خاطر جیوں
کوئی دست و پا اپنے کیوں کاٹ لے | کوئی جان کر زہر کیوں چاٹ لے
انہیں گر نہیں اپنے کنبے کا پاس | یہ دیوانے کھو بیٹھے عقل و حواس
تو میں اپنے دامن کو کیوں تر کروں | یہ بہتر ہے اس سے کہ خود ہی مروں

○

زنا خانہ جنگی سے ہوتا ہے عام | جہاں میں یونہی پھیلتا ہے حرام
نہیں رہتی باقی حیا اور شرم | نہ رکھتا ہے کچھ فرق دھرم اور اَدھرم
جو کھودے کوئی خاندانی شعار | ابد تک پھر اُس کا ٹھکانہ ہے نار
لڑے جو لڑائی یہ ، نادان ہے | یہ سب ورن سنکر کا سامان ہے
ہے قتلِ عزیزاں گناہِ عظیم | جو ایسا کرے وہ ہے بیشک لئیم
کریں وار گروہ اٹھاؤں نہ ہاتھ | بچانے کو اپنے ہلاؤں نہ ہاتھ

کماں چھوٹی اور ہاتھ ڈھیلا ہوا
غم و رنج سے رنگ پیلا ہوا

دوسرا ادھیائے

ترحم سے ارجن ہوا بے قرار
ہوئی مضطرب غم سے جانِ نزار

سری کرشن بولے سُن اے ارجمند
طبیعت کو رکھ خوف و غم سے بلند

بہادر کا دل چاہیے بے ہراس
مگر تجھ پہ طاری ہے حرمان و یاس

نہیں بھاگتے آریوں کے سپوت
ہے پیکارِ حق شیوۂ راجپوت

○

کہا اس پہ ارجن نے اے رہنما
ذرا اس معمہ کا حل کچھ بتا

مقابل درونا و بھیشم سے پیر
چلیں ان بزرگوں پہ کس طرح تیر

بزرگوں پہ ہے ہاتھ اٹھانا حرام
پیوں کیسے خونِ اقارب کا جام

بجائیکہ گردن پہ لوں ان کا خون
ہے بہتر کہ دردر گدائی کروں

جو میدان ہاریں تو ذِلّت کا کام
جو جیتیں تو بعد اس کے جینا حرام

○

ملے گر مجھے دیوتاؤں کا راج — ہو آکاش سے مجھ کو بھی حاصل خراج

جو سلطانی مہر و اختر ملے — شہنشاہی ہفت کشور ملے

یہ دولت یہ نصرت یہ سب برگ و ساز — نہیں ہے علاجِ غمِ جاں گداز

مرا ہاتھ شل اور پالنگ ہے — کہ جنگ اس طرح باعثِ ننگ ہے

نہیں ہے مرے تن میں تاب و تواں — یقیں دل سے غائب ہے غالب گماں

لڑائی کی فوجیں ہیں آراستہ — بتا ہے کدھر دھرم کا راستہ

کہا کرشن نے مسکرا کر کہ سن — ہے دردانہ لبریز حِکمت سُخن

جو ہے واقف راز بود و عدم — حوادث سے اس کو نہ خوف اور نہ غم

ترا رنج ہے سر بسر بے محل — کہ آتا ہے حکمت میں اس سے خلل

ہے بالائے تشویش جانِ حکیم — نہ اندوہ و غم اور نہ امید و بیم

جو میرا ترا جوہر ذات ہے — وہ جوہر ہے جس سے اجل مات ہے

ہر اک روح کی ذات ہے سرمدی — کہ ہے روح اک پرتوِ ایزدی

ازل سے ہے جو جاں کہ موجود ہے — فنا ایسی ہستی سے مفقود ہے

یہ طفلی، شباب اور پیری کے دور
حیاتِ بدن کے بدلتے ہیں طور

تغیر بدن میں ہے قائم ہے جاں
بدن سب کے فانی ہیں دائم ہے جاں

یہ سردی یہ گرمی سرور اور غم
کوائف بدلتے ہیں یاں دمبدم

ظواہر کا آئین ہے انقلاب
کبھی موج ہے کبھی ہے حباب

مگر روح فارغ ہے تغیر سے
بَری ہے ہر ایک نقص و تقصیر سے

جو تجھ کو حیاتِ قدم چاہیے
تغیر کا ہرگز نہ غم چاہیے

جو فانی ہے وہ ذات سے ہے جدا
جو باقی ہے فطرت ہے اس کی بقا

ہے محدود جسم اور جاں بے کنار
ہے جاں سب میں ایک اور بدن بیشمار

یہ جانیں نہ قاتل نہ مقتول ہیں
جو ایسا سمجھتے ہیں مجہول ہیں

حقیقت ہے جو آفریدہ نہیں
وہ دستِ قضا سے بریدہ نہیں

ہر اک روح ہے نفخِ روحِ ازل
نہ اس میں تغیر نہ اس میں بدل

یہ جوہر نہ ہرگز گھٹے اور بڑھے
نہ کاٹے چھٹے اور نہ اترے چڑھے

جو اس راز سے آشنا ہوگیا
وہ عارف سراپا بقا ہوگیا

بدن کی یہ سب صورتیں ہیں لباس
بدلتی نہیں جن سے جاں کی اساس

اگر جامہ ناپاک ہو یا کہن
ہے بہتر اتر جائے وہ پیرہن
جو آلودہ ہو پیرہن پھینک دے
اسی طرح جاں یہ بدن پھینک دے

○
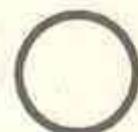
ہے جاں اپنی اک موج نورِ قدیم
نہیں ہوتی تیغ و تبر سے دو نیم
کسی آگ میں پڑ کے جلتی نہیں
کسی آب میں گھلتی گلتی نہیں
نہیں اس کو چھوتا ہے تارِ نظر
نہ گرمی سے خشک اور نہ پانی سے تر
یہ باطن ہے ظاہر کی حد سے پرے
ہر اک خیر و شر نیک و بد سے پرے
نہ ادراک نے راہ پائی وہاں
نہ وہم و گماں کی رسائی وہاں
سمجھ لے اگر اس طرح ارجمند
تو ہو ہر طرح خوف و غم سے بلند

○

حقیقت بھی ہو گر یہ موت و حیات
غم و رنج ہے پھر بھی بیکار بات
جو پیدا ہوا اس کا مرنا ضرور
ہے سب کو اسی گھاٹ اترنا ضرور
گیا جو یاں سے کل آئے گا
وہ صورت بدل کر نکل آئے گا
ہے گر مرنے جینے کا قانون اٹل
تو پھر اس پہ افسوس ہے بے محل
یہ تخریب و تعمیر مخلوق ہے
ازل سے یہ تقدیرِ مخلوق ہے

عدم سے ابھرتے ہیں سارے وجود　　ہے دیرینہ آئین بود و نمود

ابھرتے، سنورتے، گذرتے ہیں سب　　عدم کی طرف عود کرتے ہیں سب

اُٹھاتی ہے سر جیسے دریا سے موج　　گھڑی بھر کا ہے سب غرور اور اوج

جو عارف ہے اس سے گھبرائے کیوں　　جو عاقل ہے وہ مفت غم کھائے کیوں

یہ جاں ہے بڑی حیرت انگیز چیز　　مگر کون رکھتا ہے عقل و تمیز

جو ہے جوہر جانِ عالی تبار　　نہیں اس پہ چلتا کسی کا بھی وار

جو چھتری ہے حق کا سپاہی ہے وہ　　لڑائی میں تیغ الٰہی ہے وہ

بہادر ہے تو دھرم کی لاج رکھ　　صداقت کا تو سر پہ اک تاج رکھ

غنیمت سمجھ اس کو اے باادب　　کھلا بابِ جنت بغیر طلب

گیا تو اگر دھرم کو چھوڑ کر　　فرائض سے چھتری کے منہ موڑ کر

یونہی رائیگاں کھوئیگا اپنی ساکھ　　گناہوں سے ہوگا عمل تیرا راکھ

تو کیوں ایسا ننگِ زمانہ بنے　　کہ بے ہمتی میں فسانہ بنے

شجاعت سورگ اور ذلّت ہے نرک　　سمجھ لے کہ ذِلّت سے بہتر ہے مرگ

کہیگا یہ ہر ایک سینا پتی　　کہ کی تو نے چھتری کی بے حرمتی

گیا خوف سے اس طرح رن سے بھاگ　　کہ بھاگے دھواں چھوڑ کر جیسے آگ

جو کہتے تھے عزت کے قابل ہے تو وہی کہہ اٹھینگے کہ بزدل ہے تو

کشادہ رہے گی زبانِ عدو زمانے میں تو ہوگا بے آبرو

وہ جنگ آزما کیسا خوش بخت ہے کہ جس کے اُدھر خلد اِدھر تخت ہے

یہ انعام ہے تیری تقدیر میں کہ جنت ہے آغوشِ شمشیر میں

ارادے کو مضبوط کر اور اُٹھ بہادر ہے گر تو نہ ڈر اور اُٹھ

حساب و کتاب و زیاں و مفاد چٹانوں کو کیا خدشۂ ابروباد

ہے واجب خیالاتِ رنج و سرور ہوں حق کوش انساں کی ہمت سے دور

جہاں میں اگر تجھ کو سچ کی ہے پریت برابر ہے پھر تجھ کو ہار اور جیت

مجاہد ہے ہر اک گنہ سے بری یہی دین ہے شایان مرد جری

جو دیکھے حقیقت کی تو آنکھ سے مطابق ہے تعلیم یہ سانکھ سے

سناؤنگا اب تم کو اسرار یوگ کہ سب دور جس سے روگ اور سیوگ

نہیں اس میں کوشش کوئی رائیگاں نہ ہے اس میں کوئی خرابی نہاں

ہے تھوڑے میں بھی فائدہ بے شمار کہ کرتا ہے ہر خوف دل سے فرار

ہے عرفان کی سوئے وحدت نظر ہے اک اصل سے زندگی کا شجر

جہاں پہ ہے کثرت، جہاں ہے دوئی تمنا کی شاخیں ہیں الجھی ہوئی

ہے ژولیدہ مردِ پریشاں خیال
بچھائے ہے دل آرزوؤں کا جال

پھنسا ہے وہ الفاظ کے دام میں
وہ ہے پابگل روپ اور نام میں

ہے ویدوں کے منتر میں جکڑا ہوا
لکیروں کے جادو میں پکڑا ہوا

طلبگارِ اثمارِ باغِ بہشت
سمجھتا ہے دنیا کو عقبیٰ کی کشت

جو رسمی عبادت میں ہے انہماک
نہیں ہے غرض سے عمل اس کا پاک

وہ لذت سے ہے طالب زندگی
اسی کے لئے اس کی ہے بندگی

عمل کر رہا ہے کہ لذت ملے
بہت اقتدار اور قوت ملے

خیالات بکھرے کہیں سے کہیں
طبیعت کبھی اس کی یکسو نہیں

○

صفات ثلاثہ ہیں مضمونِ وید
مگر اور ہے کچھ حقیقت کا بھید

سہ گونہ گنوں سے ہو تو ماورا
اگر چاہتا ہے مقام بقا

جہانِ علل، عالم اضداد کا
یہاں ساتھ ہے شاد و ناشاد کا

یہ وحدت کا عالم ہے اس سے بلند
وہ ہے عالمِ پاک اے ہوشمند

جو عالم ہے لبریز توحید سے
وہاں تک رسائی ہے تجرید سے

برہمن کو ہے گیان حاصل اگر
جمی بس ہے وحدت پہ اس کی نظر

جو وحدت کے دریا میں غرقاب ہے
اسے وید اِک جوئے پایاب ہے

عمل سے تمنا نہ رکھ اُس کا پھل
کہ ہے آرزو و اجر کی اِک خلل

عمل سے مکافات کی آرزو
ہے لذات و آفات کی آرزو

اسی طرح آفت ہے ترکِ عمل
وہ ہے اک طرح زندگی میں اجل

عمل ہو ترا گر سپردِ خدا
تو نفع و ضرر سے نہ ہو مدّعا

عمل میں جو محوِ خدا ہوگیا
عمل اُس کا بے مدّعا ہوگیا

○
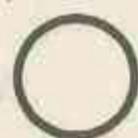
تھپیڑے نہ کھائے تمنا کے گر
نہ ہو نفس تیرا اِدھر اور اُدھر

جو یوں محوِ ذاتِ الٰہی رہے
کہ جس طرح دریا میں ماہی رہے

وہ عارف جو یوں وصلِ حق میں ہے مست
ثمر خواہ کا اُس سے رُتبہ ہے پست

ہے عقلِ الٰہی عمل سے بلند
نہ پہنچے وہاں خیر و شر کی کمند

جو یوگا کی راہوں میں خورسند ہے
عمل میں وہی بس ہنر مند ہے

تناسخ سے پاتے وہی ہیں نجات
جنہوں نے نفس کو کیا محوِ ذات

نکل آئے جو وہم کے دام سے
وہ بالا ہیں الفاظِ الہام سے

اگر نفس مضطر ہے آیات سے
سُنی اور سنائی ہوئی بات سے

اسے وحدت حق میں کر غرق تو
مٹادے من و تو کا یوں فرق تو

ہے تغیر احوال سے عقل مات
ہے کثرت تغیر تو وحدت ثبات

بہر حال اگر نفس ہو مطمئن
برابر ہوں غم اور شادی کے دن

جو دل اپنی حالت میں ہے استوار
نہ ہے کچھ گوارا نہ ہے ناگوار

الگ ہو جو ہیجانِ جذبات سے
بری خوف و غصہ کے آفات سے

حوادث سے جو بے اثر ہو گیا
سمجھ لو کہ وہ باخبر ہو گیا

یہی شان ہے معرفت کی دلیل
دلوں میں توازن کی ہے یہ سبیل

اگر کوئی دیتا ہے کچھوے کو چھیڑ
وہ لیتا ہے سب ہاتھ پاؤں سکیڑ

تو نہی حس سے اپنی عناں کھینچ لے
عیاں سے بسوئے نہاں کھینچ لے

○

گر انسان کرتا ہے اشیا کو ترک
نہیں کرتا ان کی تمنا کو ترک

یہ مانا کہ سارا جہاں ہٹ گیا
مگر آرزو سے کہاں ہٹ گیا

جو زاہد کے غاروں میں روپوش ہے
وہ محرومِ خواب و خورونوش ہے

پہ ہے آرزوئیں دبائے ہوئے
بہت حسرتیں ہیں چھپائے ہوئے

اگر اس کو دیدارِ حق ہو نصیب
مٹا دے تمنا کو وصل حبیب

ہے گر کشتیِ جاں میں سامانِ حس　　ڈبو دیگا ناؤ کو طوفانِ حس

ہے گر ساتھ جذبات کا جوش بھی　　لڑھکتی ہے عقل نکو کوش بھی

عمل سے اگر حق ہی مقصود ہو　　تو سب اضطراب اس سے مفقود ہو

ہے بس ضبطِ حس میں سکوں عقل کا　　تمنا سے ہوتا ہے خوں عقل کا

جو اشیا کی جانب لگاتا ہے من　　علائق کے بندھن کو ہے یہ رسن

ابھرتی تعلق سے ہے آرزو　　ہے ہر دم کسی چیز کی جستجو

نہ پوری ہو گر آرزو تو غضب　　وہ ہوگا گرفتار رنج و تعب

غم و غصہ سے حافظہ ہو خراب　　اسی سے ہے پھر عقل میں پیچ و تاب

جہاں عقل میں اس طرح ہو کمی　　تو سمجھو کہ بس ختم ہے آدمی

جو قابو میں رکھتا ہے اپنے حواس　　تمنا پھٹکتی نہیں اس کے پاس

اسی جاں کا مسکن ہے دارالسلام　　کہ جس میں نہیں ہے تمنائے خام

جہاں پر نہیں ہے کوئی درد و کرب　　نہیں دل کو لگتی وہاں کوئی ضرب

اگر دل ہے قائم تو قائم ہے عقل　　کہ دل ہی سے وابستہ دائم ہے عقل

ہے دلِ مضطرب تو پریشاں ہے ہوش　　بہت عقل کش ہے طبیعت کا جوش

جو جذبات پر اپنے قابو نہیں　　کسی حال میں قلب یکسو نہیں

یہ حِس عقل کو مانتی کچھ نہیں ہے دلِ مضطرب شانتی کچھ نہیں

نہ ہو شانتی تو مسرت کہاں مسرت نہیں تو سعادت کہاں

پراگندہ دل کی وہی ہے مثال جو طوفاں میں ہوتا ہے کشتی کا حال

اگر تیرے سینے میں ہیجان ہے تو منجدھار ہے اور طوفان ہے

جو رکھتا ہے قابو میں اپنے حواس قوی ہے بہت اس کے دل کی اساس

خودی میں اگر واصلِ ذات ہے جو دن اور کا اسکی وہ رات ہے

جو جگ جاگتا ہے تو سوتا ہے وہ جہاں سوئے بیدار ہوتا ہے وہ

خودی میں ہوئیں آرزوئیں غروب گئیں ندیاں سب سمندر میں ڈوب

تمنا کی کثرت ہے وحدت میں گم پریشانیاں ہیں سلامت میں گم

یہی ہے سکون و سکوتِ ازل نہیں جس میں ہوتا ہے ردّ و بدل

جو مرتے ہوئے یوں فنا ہوگیا وہ عارف سراپا بقا ہوگیا

تیسرا ادھیائے

کیا اس پہ ارجن نے پھر یہ سوال
کہ اے مرد خوشحال و شیریں مقال

اگر علم ہے یوں عمل سے بلند
عمل کیوں کرے پھر کوئی ہوشمند

عمل بھی پھر ایسا کہ خوں ریز ہے
جنوں خیز ہے فتنہ انگیز ہے

مری عقل حیراں ہے اس قول سے
طبیعت پریشاں ہے اس قول سے

رہِ راست کیا بتادے مجھے
سلامت روی کا پتہ دے مجھے

کہا کرشن نے سن کہ راہیں ہیں دو
نظر گاہ اک اور نگاہیں ہیں دو

حقیقت کو پاتی ہے جب دل کی آنکھ
تو وہ معرفت ہے بہ انداز سانکھ

پر مگر یوگ رستہ ہے اعمال کا
طریقہ ہے احوال و اشغال کا

نہیں ملتی ترکِ عمل سے نجات
نہ حاصل ہوں اس سے کمالات ذات

عمل سے نہ چھوٹا کوئی ایک پل
عمل زندگی ، زندگی ہے عمل

ہراک شئے ہے فطرت میں مصروف کار
کہ اس جبر میں کچھ نہیں اختیار

کچھ ایسے بھی زائد ہیں بیہودہ کوش
نہیں انکے اعضا میں جنبش نہ جوش

عمل کو ہیں بیٹھے دبائے ہوئے
پہ محسوس سے لو لگائے ہوئے

یہ زُہّاد احمق، ریاکار ہیں
سراسر عبث ان کے کردار ہیں

ہے بیتاب نفس اور ساکن بدن
نہیں جانتے کچھ یہ یوگی کا فن

مگر دستِ صادق ہے مصروف کار
طبیعت کو حاصل ہے صبر و قرار

تصرف میں ہیں اس کے سارے حواس
پھٹکتا نہیں انتشار اُس کے پاس

اگرچہ ہیں سب دست و پا کام میں
نہیں ہے تعلق کے وہ دام میں

ہے سیدھا یہی دھرم کا راستہ
ادا فرض اپنا کرو بے ریا

عمل ترک کردے اگر مردِ خام
بدن کا بھی ممکن نہیں ہے قیام

جمود اور سکوں سے ہے بہتر عمل
نہ ہو جس میں کچھ آرزو سے خلل

یہاں جو بھی ہے اور جس حال میں
بندھا ہے وہ زنجیرِ اعمال میں

مگر وہ عمل جو ہے یگ کیلئے
وہ لقمہ نہیں نفسِ سگ کیلئے

برہما نے خلقت کو پیدا کیا
تو ساتھ اس کے یگ بھی ہویدا کیا

کہا یہ کہ یگ سے جہاں میں بڑھو
یہ ہے کام دھینو جو چاہو سو، لو

چڑھاوا اگر دیوتا پر چڑھے
تو انساں کا بھی رزق اس سے بڑھے

اگر دیوتاؤں کو رکھو گے شاد
وہ پوری کرینگے تمہاری مراد

وہ دیتے بھی ہیں اور دلاتے بھی ہیں
وہ کھاتے بھی ہیں اور کھلاتے بھی ہیں

جو قربانیوں میں بخیلی کرے
وہ چوروں کی صورت رذیلی کرے

پس انداز یگیہ کا کھاؤ حلال
پھنسائے نہ تمکو گناہوں کا جال

مگر جو غذا خود غرض لے لپیٹ
کہ بھرتا رہے اس سے اپنا ہی پیٹ

سمجھ لو وہ کھانا سراسر ہے پاپ
جہنم کی آگ اور جہنم کی بھاپ

غذا سے سہارا ہے مخلوق کا
اسی سے گذارا ہے مخلوق کا

غذا ساری پیدا ہے برسات سے
جو بھرتی ہے دنیا کو بہتات سے

ہے بارش کا قربانیوں سے وجود
عمل سے ہے قربانیوں کی نمود

عمل کا ہے مبدا برہما کی ذات
اسی سے ہے سب کاروبارِ حیات

برہما ہے جس کا ظہورِ جمال
وہ مصدر ہے اک ہستیٔ لازوال

وہ اک ذاتِ سرمد ازل کا ہے نور
سدا یگیہ میں ہے اس کا ظہور

اسی طرح چلتا ہے دورِ حیات
یہ ہے دورِ خونِ رگِ کائنات

اسی طرح گردش میں ہے زندگی
اسی سے ہے جانوں میں تابندگی

جو بچتا ہے اس سے وہ بیکار ہے
گرفتارِ لذّت گنہگار ہے

مگر ہے حقیقت میں وہ شخص خوب
جو اپنی حقیقت میں جاتا ہے ڈوب

رضا جوئے حق ہے جو بے چون وچند
وہ ہوتا ہے سطحِ عمل سے بلند

غرض اس کو کیا ہے کسی کام سے
بری ہے وہ غفلت کے الزام سے

نہ وابستہ اس کی کسی سے طلب
کہ ہیں بے غرض اس کے اعمال سب

ہے ہر کام اس کا خدا کی رضا
خودی اس کی ہے محوِ ذاتِ خدا

○

جنک اور کئی اولیائے خدا
عمل سے ہے پائی انہوں نے بقا

عمل تم بھی ایسا کرو میری جاں
ہو جس میں صلاح و فلاحِ جہاں

جو ہیں سر بر آوردہ لوگو نکے کام
انہیں کی ہیں تقلید کرتے عوام

مجھے دیکھ میں سب سے ہوں بے نیاز
نہیں میرے دل میں ذرا حرص و آز

کسی شے کی مجھ کو نہیں جستجو
ہوں بے مدعا اور بے آرزو

میں اس پر بھی رہتا ہوں مصروف کار
ہے دونوں جہاں کا سی پر مدار

میں برتوں اگر غفلت اور کاہلی
تو سب خلق اس کی کرے پیروی

اٹھائے نہ دنیا میں کوئی قدم
عدم ہی عدم ہو عدم ہی عدم

ہو اِک پل میں دنیا کا برہم نظام
نہ حفظِ مراتب نہ حفظِ مقام

ہیں نادان کرتے تمنا سے کام
تعلق ہے اہل صفا پر حرام

نہ خواہش نہ آمیزشِ سود ہو
ترا کام عالم کی بہبود ہو

تمنا سے گر کام جاہل کرے
نہ دانا کوئی اس کو بددِل کرے

عمل یوں کرے عارفِ باخدا
طبیعت میں تسلیم ہو اور رضا

عمل کو وہ ایسے سنوارا کرے
کہ جاہل بھی اس کو گوارا کرے

ہیں قدرت کے اندر سہ گونہ صفات
عمل جن کا ہے مظہر کائنات

خودی میں فریب اہنکار ہے
سمجھتی ہے خود مصدرِ کار ہے

جو مطلق کو پہنچا ہے تجرید سے
وہ ہے لذّت اندوز توحید سے

یہ فطرت ہے اِک کارگاہِ صفات
منزّہ مبرا احد کی ہے ذات

صفات اور وظائف میں جو قید ہے
وہ صیّاد تزویر کا صید ہے

نہیں چاہیے کامل انسان کو
کہ ڈالے تردّد میں نادان کو

○

خودی سے عمل ہو اگر تیرا پاک
نہ اُمید اُجرت نہ نقصان کا باک

نہ حرص و ہوا اور نہ غیض و غضب
نہ امید و بیم اور نہ رنج و تعب

رضا اور تسلیم شیوہ بنا ہر اک کام کو کر سپرد خدا
طبیعت میں پیدا یہی رنگ کر مجاہد خدا کا ہو اور جنگ کر

○

جسے میری تعلیم پر ہے یقیں نہیں جو کوئی عیب جو نکتہ چیں
نہیں جس کے ایمان میں کچھ خلل اسی کے موافق ہے جس کا عمل
وہ کرموں کے بندھن سے آزاد ہے حقیقت کی دنیا میں آباد ہے

○

جو تعلیم یزداں کا قائل نہیں عمل اُس پہ کرنے پہ مائل نہیں
وہ نادان دھوکا ہے کھائے ہوئے گناہوں کی گٹھڑی اٹھائے ہوئے
نہ عرفان و ایماں نہ علم و عمل گریگا جہنم میں وہ سر کے بل
ہے عارف بھی یاں پر اسیر حدود کہ عائد ہیں فطرت کے اس پر قیود
گرفتارِ فطرت ہے ہر جاندار نہیں اس سے ممکن گریز اور فرار
ہے محسوس اشیاء کا جس پر مدار گوارا ہے کوئی کوئی ناگوار
مگر یہ پسندیدہ وہ ناپسند ہے ان کی حکومت سے جاں کو گزند

جہاں میں ہر اک کا ہے مخصوص مقام
نہیں اس کے ایفا سے عاقل کو شرم

مقرر ہیں سب کے مناسب مقام
اسی سے ہے دنیا کا قائم نظام

سُن اے مرد دانا تو اپنی نبیڑ
فرائض کو اوروں کے ہرگز نہ چھیڑ

فرائض میں غیروں کی تقلید و نقل
نہ ہے کارِ دیں یہ، نہ ہے کارِ عقل

مقرر ہے دنیا میں جو جس کا کام
بُرا یا بھلا وہ کرے صبح و شام

ہے انساں کی اپنے ہی پیشے میں خیر
کہ خطرہ سے خالی نہیں کارِ غیر

کیا اس پہ ارجن نے پھر یہ سوال
بتا مجھ کو اے مرشد باکمال

ہے باطن میں کیا قوت بے پناہ
جو کھینچے ہے انساں کو سوئے گناہ

جھجکتا ہوا اور سمٹتا ہوا
چلا جارہا ہے گھسٹتا ہوا

کہا کرشن نے سُن حقیقت ہے یہ
سمجھ لے کہ اصلی طریقت ہے یہ

ہے پوشیدہ جس میں گناہوں کا راز
کبھی طیش ہے وہ کبھی حرص و آز

جو غیض و تمنا سے آلودہ ہے
عمل اس کا ہر ایک بیہودہ ہے

جہاں سوز کیا شعلۂ آز ہے
دہن حرص کا ہر گھڑی باز ہے

ہو آتش پہ جیسے دھوئیں کا غلاف
نظر جس سے آتا نہیں نور صاف

جب آئینہ ہوتا ہے محجوب زنگ
تو ہے تیرگی میں وہ اک تیرہ سنگ

جنیں جیسے جھلی میں لپٹا ہوا
اسی طرح من پر ہے پردہ پڑا

ہوس عقل کو ہے لپیٹے ہوئے
ہے اک چور دولت سمیٹے ہوئے

ہوس چشم بینا کو لیتی ہے ڈھانپ
یہی عقل کی آستیں کا ہے سانپ

یہی فرض اور بہتریں ہے عمل
کہ اس بار خونخوار کا سر کچل

○

اگرچہ ہیں اشیاء سے برتر حواس
مگر ذہن کی ہے قوی تر اساس

اگر دیکھئے چشم امعان سے
تو ہے عقل بالاتر اذہان سے

مگر روح ہے عقل سے بھی بلند
نہیں جس پہ کوئی درِ راز بند

یہی روح اصلی ہے روح خدا
ہے فہم اور حس سے وراءُ الورا

جو بچنا ہے دشمن کی ہر گھات سے
تو کر دل کو وابستہ اس ذات سے

چوتھا ادھیائے

کیا پہلے جب میں نے یہ راز فاش
ہے جس کی ہر اک حق طلب کو تلاش

ودسواں کو میں نے تعلیم دی
ہے جس میں سراسر صداقت بھری

منو نے یہ سیکھا ودسوان سے
منور کیا دل کو عرفان سے

سکھایا منو نے یہ اشواک کو
لیا اس نے گوہرِ پاک کو

بہت سے ہیں درویش خو تاجور
ہوئے جو اسی یوگ سے بہرہ ور

یوں ہی ایک سے ایک کہتا رہا
یہ دریا اسی طرح بہتا رہا

پہ جوں جوں زمانہ گزرتا گیا
یہ دریا غلاظت سے بھرتا گیا

○

تجھے آج دیتا ہوں میں وہ سبق
ازل سے لگی جس پہ ہے مہر حق

تو اس علم یزداں کا حقدار ہے
میرا یار ہے اور پرستار ہے

سنا جب یہ ارجن نے پوچھی یہ بات ذرا یہ بتا اے ستودہ صفات
ودسوان تو تجھ سے پہلے ہوا یہ کیسے کہیں اس نے تجھ سے سنا
نہ آیا سمجھ میں یہ ہے راز کیا ہے انجام کے بعد آغاز کیا

سری کرشن بولے کہ اے حق طلب بتاؤں تجھے کیا ہے ''جب اور اب''
کئی بار ہم تم ہویدا ہوئے کئی بار دنیا میں پیدا ہوئے
مجھے اپنے ماضی کا سب ہوش ہے مگر تجھ کو سب کچھ فراموش ہے
مری ذات ہے گو جنم سے بری نمود اور بود و عدم سے بری
اگرچہ ہوں میں مالکِ کائنات نہیں زادہ و آفریدہ یہ ذات
یہ ہے میری مایہ کی قدرت کا کھیل مگر اس بدن سے نہیں میرا میل
بہت دھرم میں جب ہے پڑتا بگاڑ تو لے کر کسی ایک صورت کی آڑ
فلاحِ جہاں کو اترتا ہوں میں اور اصلاح کا کام کرتا ہوں میں
کہ ظلمت میں آکر اجالا کروں نکوکار کا بول بالا کروں
قوی مجھ سے ہوتیں ہیں بنیادِ دیں مٹاتا ہوں دنیا سے مین مکروکیں

کئی بار اس طرح آیا گیا　　پلٹ کر میں دنیا کایا گیا

○

اترتا ہے کس طرح ظلمت میں نور　　ہے کس طرح ہوتا خدا کا ظہور

کس انداز کا ہے خدا کا عمل　　مقام اس کا کیا اور کیا ہے محل

جو اس راز سے آشنا ہوگیا　　وہ پیدایشوں سے رہا ہوگیا

وہ واپس ہوا اصلِ ہستی میں پھر　　نہ آیگا دنیا کی پستی میں پھر

غم و غصہ و خوف و حزن و ملال　　براجن سے ہوتا ہے انساں کا حال

اسی طرح کی آفتیں ہیں کئی　　جنہیں آتشِ معرفت کھا گئی

بہت مردِ دانا بہت مردِ نیک　　ہوئے مل کے یوں ذات واحد میں ایک

○

سوئے حق بہت سی ہیں راہیں درست　　مری سمت جو راہ چاہیں درست

ہے گرچہ جدا سب کی طرزِ خرام　　سوئے بحر جاتے ہیں دریا تمام

کشادہ بہت میرے ایوان ہیں　　ہر اک طرح کے میرے مہمان ہیں

جو دنیا ہی میں طالبِ سود ہیں　　بہت دیوتا ان کے معبود ہیں

وہ پاتے ہیں دنیا میں اپنی مراد　　گھڑی دو گھڑی دل کو کرتے ہیں شاد

یہ ہے کامیابی بہت مختصر
بجھے جیسے اکدم چمک کر شرر
جو ذاتوں کی دنیا میں تقسیم ہے
مری پیدا کردہ وہ تنظیم ہے
صفت اور عمل کی یہ تفریق ہے
مگر ساتھ ہر اک کے توفیق ہے

○

خدا کو نہیں بندشِ کار کچھ
نہ چاہے عمل سے وہ اثمار کچھ
ہوا آشنا جو اس آنند سے
وہ چھوٹا عمل کی جکڑ بند سے
یہی تھا ہمیشہ طریقِ سلف
نجات اک گہر تھی عمل تھا صدف
عمل تجھ کو اے خوش گہر چاہیے
پہ بے آرزوئے ثمر چاہیے
عمل وہ جو چھوٹا ہوا تیر ہو
نہ ایسا عمل جو کہ زنجیر ہو

○

عجب ہے عمل اور ترکِ عمل
کچھ آساں نہیں ایسی مشکل کا حل
یہاں مردِ دانا بھی حیران ہے
کچھ اس پیچ وخم میں پریشان ہے
سمجھنے میں اس کے ذرا سا ہے بل
عمل، کج روی، اور ترکِ عمل
یہ کرنا نہ کرنا عجب پیچ ہے
سمجھ آدمی کا یہاں ہیچ ہے
مگر مردِ عاقل جو ہے نکتہ بیں
کرے یوں کہ گویا کیا ہی نہیں

کہ ہے اس کی حرکت سراپا سکوں
نہیں ہے عمل ایسا کارِ زبُوں

عمل جس کا ہے ہر ہوس سے بری
وہی ہے عمل کے قفس سے بری

جہاں تیری کچھ آرزو ہی نہیں
وہاں پر یہ سچ ہے کہ تو ہی نہیں

عمل میں ترے گر نہیں حرص و آز
خودی مٹ گئی ہے خدا کار ساز

جو یوں نیست ہو کر ہوا حق میں ہست
برابر سمجھتا ہے فتح و شکست

نہ امید لذّت نہ خوف گزند
توکل کا ہے اس کو شیوہ پسند

بدن سے وہ مصروف اعمال ہے
مگر روح میں فارغ البال ہے

بری ہے حسد اور بیداد سے
وہ بالا ہے پیکارِ اضداد سے

جو پاتا ہے یوں معرفت کا مقام
تو قربانیاں ہیں تمام اس کے کام

یہ سامان یگ آگ ہو یا غذا
اِدھر بھی خدا اور اُدھر بھی خدا

جس اگنی میں کرتی ہے یگ جانِ پاک
وہا گنی بھی ہے نورِ یزدان پاک

جو شئے ایسے نذر خدا ہو گئی
فنا میں سراپا بقا ہو گئی

نظر گاہِ عارف ہے بس ذات رب
بنام خدا نذر آتش ہے سب

جو باطن کا اپنے نگہبان ہو
تو احساس و محسوس قربان ہو

کہیں ترکِ دولت کہیں حبسِ دم　　طریقت کی راہیں ہیں سب بیش و کم

کسی کا ہے یگ ساز و سامان سے　　کسی کا ریاضت سے عرفان سے

ہے کوتاہ جن جوگیوں کی نظر　　چڑھاتے ہیں نذریں وہ دیوتاؤں پر

غرض یہ ہے ہر کام ہر بات سے　　کہ انسان ہو آشنا ذات سے

ہے قربانی نفس سب سے بلند　　کہ عرفان حاصل کرے ہوشمند

ہے ایثار وابستہ اعمال سے　　جو واقف ہوا چھُٹ گیا جال سے

ہے یگ اور عمل سے غرض معرفت　　ہے مقصود ایک اور راہیں بہت

جو قربانیوں سے کرے اجتناب　　یہاں پر بھی ہے اس کی مٹی خراب

جو بچتا ہے نذر اور ایثار سے　　عمل اس کے ہیں سارے بیکار سے

نہیں اُسکا مسکن جہانِ بلند　　کہ اس کیلئے بابِ جنت ہے بند

یہ اسرارِ مرشد کی خدمت سے سیکھ　　ریاضت سے سیکھ اور عبادت سے سیکھ

تجھے مردِ عارف دکھائے گا راہ　　حقیقت پہ پڑتی ہے جس کی نگاہ

جلائیگا جب معرفت کا چراغ　　نہ ظلمت سے ہوگا پریشاں دماغ

زمیں و زماں میں، سماوات میں　　ہے موجود ہر چیز اک ذات میں

تنا اور شاخیں ثمر اور پات　　الگ ہیں مگر نخل ہے ایک ذات

○

گنہ سارے ڈھلتے ہیں عرفان سے　　یہ اسرار کھلتے ہیں عرفان سے
جو کشتی میں بیٹھا ہے عرفان کی　　نہیں اس کو پرواہ طوفان کی
گنہ سوز ہے آتش معرفت　　کسی اور شے میں نہیں یہ صفت
اگر قلب ایماں سے لبریز ہے　　تو یہ کیفیت حکمت انگیز ہے
جو قابو میں رکھتا ہے اپنے حواس　　پہنچتا ہے وہ بھی حقیقت کے پاس
اگر معرفت ہو تو ہے شاد کام　　ہے ایسوں کی منزل مقامِ سلام

○

مگر جس میں علم و یقیں کچھ نہیں　　جز اسکے حق میں کہیں کچھ نہیں
نہ دنیا میں راحت نہ عقبیٰ میں اجر　　ہے دونوں جہاں میں سزا اور زجر

○

شعور خدا ہے وہ تیغِ دو دُم　　کہ سر شک کا ہوتا ہے اس سے قلم
جو عارف ہیں دنیا میں اس حال کے　　بری ہیں نتائج سے اعمال سے
سمجھ میں ہے یہ راز اگر آگیا　　تو اٹھ اور ہمت کے جوہر دکھا

پانچواں ادھیائے

پھر ارجن نے پوچھا بتا اے رفیق
ہیں ترکِ عمل اور عمل دو طریق

رہِ راست کا اب پتا دے مجھے
جو بہتر ہو رستہ بتادے مجھے

سری کرشن بولے کہ سن غور سے
حقیقت کو پائے گا اس طور سے

یہ دونوں ہیں گو رہنمائے وصال
قدم تو عمل ہی کے رستے پہ ڈال

ہے حاصل اسی فرد کو سنیاس
ستاتی ہے جس کو نہ آس اور نہ یاس

کسی چیز سے اس کو نفرت نہیں
کسی کی طرف اس کو رغبت نہیں

جو اس طرح بالائے اضداد ہے
حقیقت میں وہ رُوح آزاد ہے

سمجھتا ہے وہ جس کی ہے عقل صاف
نہیں سانکھ میں یوگ سے کچھ خلاف

جہاں سانکھیہ جاکے ہے مطمئن
پہنچتا ہے یوگی وہیں ایک دن

جو اچھی طرح ایک پر ہو عمل
تو ملتا ہے پھر دوسرے کا بھی پھل

مگر ایسا رستہ جو ہے غیر یوگ
کٹھن اس کو پائینگے دنیا میں لوگ

رہِ یوگ لیکن جب اس نے چُنی
پہنچتا ہے منزل پہ جلدی مُنی

جو ہے نفس کی جانب ''ہُو'' کئے
ہے باطن کو اپنے ترازو کئے

من اس کا کچھ ایسا ہم آہنگ ہے
کہ ہر ایک صورت میں یکرنگ ہے

اگر چہ ہے تن اس کا مصروف کار
مگر من میں بستا ہے پروردگار

وہ ہے دیکھتا اور سُنتا بھی ہے
ضرورت کی چیزوں کو چُنتا بھی ہے

وہ چھوتا بھی ہے سونگھتا بھی ہے وہ
وہ سوتا بھی ہے اونگھتا بھی ہے وہ

وہ پیتا بھی ہے اور کھاتا بھی ہے
وہ دیتا بھی ہے اور دلاتا بھی ہے

وہ محسوس کرتا ہے بھوک اور پیاس
غرض کام کرتے ہیں سارے حواس

نہیں روح کا اس سے کچھ میل ہے
یہ احساس اور محسوس کا کھیل ہے

عمل اس کا ہے سب خدا کیلئے
نہ اپنی غرض اور رضا کیلئے

وہ دنیا میں بستا ہے یوں بے خلل
ہے بےلوث جس طرح جل میں کنول

وہ ہے بے غرض اور بے مدعا
کہ پائی ہے اس نے فنا میں بقا

نہ اس کو فقط تن سے وابستگی
نہ بدھی سے اور من سے وابستگی

الگ اس کا سود اور بہبود ہے
صفا قلب کی اس کو مقصود ہے

نہ اجر اور عوض ہی میں اٹکا ہے دل | نہ اسباب کے ساتھ لٹکا ہے دل
جنہیں چاہیے اپنے کاموں کا پھل | وہ چکر سے جائیں گے کیوں کر نکل
مگر جس کو کچھ آرزو ہی نہیں | کسی چیز کی جستجو ہی نہیں
نہیں قلب اس کا تب و تاب میں | وہ ہے شاہ اس شہرِ نہٗ باب میں
جہاں کچھ وہ کرتا کراتا نہیں | وہ بارِ عمل کچھ اٹھاتا نہیں

○

خدا نے نہیں کوئی تدبیر کی | یہ کڑیاں ہیں فطرت کی زنجیر کی
یہ علّت، یہ معلول، عمل اور اثر | نہیں حق نے رکھا انہیں جوڑ کر
ہے بالائے فطرت وہ ذات احد | پہنچتا نہیں اس تلک نیک و بد
ہے عرفان پر جہل کا اک غلاف | کہ جاہل کو دکھتا نہیں نور صاف
وہ ہستی کہ ہے ماوریٰ فہم سے | سمجھتا ہے کیا کچھ اسے وہم سے
جو عرفان کا خورشید ہو جلوہ گر | تو پھر اصل توحید ہو جلوہ گر
جنہیں اس طرح سے ہو حاصل وصال | انہیں کو سمجھ عارفِ باکمال
نظر حق پہ گاڑھے ہیں اس نحو سے | کہ معلوم ہوتے ہیں کچھ محو سے
وہ بیٹھے ہیں فکر و نظر سے پرے | کہ سب باخبر ہیں خبر سے پرے

اُدھر سے اِدھر پھر نہ آئیں کبھی
نہ بارِ عمل پھر اٹھائیں کبھی
کیا معرفت نے گناہوں سے پاک
ہے امرت سے پاکیزہ تران کی ذات

○

برہمن ہو یا کوئی چنڈال ہو
ہو خوشحال یا کوئی بدحال ہو
جو عارف ہے دنیا میں یزداں شناس
پھٹکتا نہیں امتیاز اس کے پاس
نظر پاک ہے اور پاکیزہ رائے
تو یکرنگ ہیں اسکو سگ اور گائے

○

اگر نفس میں وحدتِ ذات ہے
تو باہر اور اندر مساوات ہے
ثبات اس کو حاصل ہے کہسار کا
کہ قائم ہے اک پاؤں پر کار کا
وہ حالت سے اپنی نہ ہرگز پھرے
نہ لذّت سے اُبھرے نہ غم سے گرے
صراط حیات اُس کا ہے مستقیم
کہ ذاتِ الٰہی میں ہے وہ مقیم
علائق سے اشیا کے رہتا ہے دور
طَبیعت میں اک سرمدی ہے سرور

○

تعلق کے لذات فانی ہیں سب
تمنائیں یاں آنی جانی ہیں سب
ہراک لطف سے آخرش دل ہے سرد
کہ دنیا میں پیدا ہے لذت سے درد

وہ لذت، ہے بنیاد جس کی سقیم نہیں اس میں پھنستا ہے مردِ حکیم
جو رکھتے ہیں دنیا میں عقل و ہوش دباتے ہیں جو آرزوؤں کا جوش
انہیں کو سمجھنا، ہیں سچے سکھی ہے حاصل انہیں راحتِ ایزدی
جو مرنے سے پہلے یہاں مرگیا وہ آزاد ہے سوئے داور گیا
نہیں دل میں کوئی ہوا و ہوس بدن اس کا ہرگز نہیں ہے قفس
سرور اس کو حاصل ہے دلشاد ہے وہ چھٹنے سے پہلے ہی آزاد ہے
ہے باطن میں جس دل کو حاصل سرور ہے جس دل میں ذات الٰہی کا نور
نہ ہے قید اسکو نہ کچھ بند ہے وہ اک ذاتِ یکتا میں پیوند ہے
جو دل سے دوئی کا نشاں مٹ گیا تو ہر اک گنہ بے گماں مٹ گیا
گر احساس و احوال میں ضبط ہے تو دل میں توازن ہے اور ربط ہے
نہیں ہے پھر اپنوں میں غیروں میں فرق کہ من ہے جہاں کی بھلائی میں غرق

○

بدن میں ہے مکتی کا سامان بھی اسی تن کے اندر ہے نروان بھی
یہ نروان ہے معرفت سے قریب نہیں دور عاشق سے روئے حبیب
جو اپنے تئیں نفس پہچان لے تو فوراً یہیں نقد نروان لے

بجھاتا ہے جو آرزوؤں کی آگ
وہ قابو میں رکھتا ہے فطرت کی باگ

○

ہو دونوں بھوؤں کے نظر درمیاں
اور انفاس کا پاس رکھتی ہو جاں

تصرف میں عقل و حواس اور من
نہ کچھ دل میں خوف اور نہ رنج و محن

جو عارف ہوا اُس طرح کامیاب
نہیں اسکو بندِ عذاب و ثواب

○

پڑھا جس نے اچھی طرح یہ سبق
ریاضت عبادت ہے سب میرا حق

سمجھتا ہے وہ عاقلِ نکتہ بیں
کہ عالم ہیں سب میرے زیرِ نگیں

جہاں میں جو موجود مخلوق ہے
میں عاشق ہوں اسکا وہ معشوق ہے

اسی کو ہے حاصل سکون اور سلام
ہے ذاتِ الٰہی میں جس کا قیام

چھٹا ادھیائے

ادا جو کرے اس طرح اپنا فرض
کہ ہے دھرم کا اس پہ گویا یہ قرض
نہ ہو کچھ نتائج کا اس کو خیال
ہے اس سنیاسی کو حاصل کمال

وہ جوگی نہیں زاہدِ نابکار
فقط چھوڑ بیٹھا جو رسم و شعار
جسے یوگ کہتے ہیں اہلِ نظر
وہ ترکِ حقیقی ہے اے خوش گہر
بچھاتا جو تدبیر کا دام ہے
ابھی یوگ میں وہ بہت خام ہے

ہے سالک کی راہِ ترقی عمل
یقیناً ذریعہ ہے یہ بے خلل
ہے کامل میں لیکن سکون دروں
ذریعہ ہے یہ وصل کا رہنموں
وہ کرتا ہے محسوس اشیاء کو ترک
عمل کے ثمر اور تمنّا کو ترک

سمجھتا ہے اسباب و تدبیر، ہیچ
نہیں دل میں کچھ آرزوؤں کا پیچ

○

نہ کر قلب کو یاس سے آشنا
خودی کو کر اپنی سپردِ خدا

خودی ہو بجا تو خدا یار ہے
مگر نفسِ سرکش کو تلوار ہے

خدا کو خودی ایسی مرغوب ہے
جو اسکی حقیقت سے منسوب ہے

وہ ہے مطمئن گرم ہو یا کہ سرد
نہیں اس پہ غالب نہ لذّت نہ درد

نہ ہے خوف ننگ اور نہ پروائے نام
ہے اونچا بہت عارفوں کا مقام

جو پختہ ہے عارف کا گیان اور دھیان
وہ سیلابِ ہستی میں ہے اک چٹان

اگر اس کو حاصل ہے ضبط حواس
تو مضبوط ہے معرفت کی اساس

غرض سے ہوا قلب جو اس کا پاک
برابر ہے پھر اس کو زر اور خاک

نہیں فرق کچھ یار و اغیار میں
نکوکار میں اور گنہ گار میں

عزیز و اقارب ہوں یا اجنبی
برابر ہیں اس کی نظر میں سبھی

جو راز حقیقت سے آگاہ ہے
وہ سب کا برابر ہی خواہ ہے

○

ہے واجب کہ جوگی ہو خلوت پسند
دربیم و امید ہو اس پہ بند

ہو اک نرم مسند پہ اُس کی نشست
نہ بالا زمین سے بہت اور نہ پست

کرے ضبط حِس، من کو یکسو کرے
طبیعت کو اپنی صفا جو کرے

رہے خوف و حُزن اور شہوت سے دور
توازن سے پیدا ہو دل میں سرور

توجہ کو مجھ پر جماتا رہے
مجھی سے فقط لو لگاتا رہے

ہے لازم برائے حصولِ کمال
ہر اک شئے میں قائم رکھے اعتدال

نہ واجب ہے اس کو شکم پروری
نہ فاقوں سے کر لے وہ حالت بُری

رہے وسط میں اس کی ہے یہ صفت
نہ سوئے بہت اور نہ جاگے بہت

چلے بیچ بیچ، اسمیں رہتا ہے سکھ
اسی یوگ سے دور رہتا ہے دکھ

○

خدا میں ہے قائم دلِ اولیا
لرزتا نہیں ہے دیا بے ہوا

یہی ہے مقامِ سرورِ ازل
نہیں جس میں ہوتا ہے ردّ و بدل

یہیں پر ہے سب راحتِ سرمدی
یہیں پر ہے سب لذت ایزدی

یہ عالم ہے اک ماورائے حواس
حقیقت سے محکم ہے جس کی اساس

کوئی کیفیت اس سے افزوں نہیں
یہاں مارتا غم شب خوں نہیں

یقیں پختہ رکھ اور دلِ بے ہراس
بھٹکنے نہ پائے وہاں خوف و یاس

نہ پندار کے اس میں دھوکے ہوں کچھ | نہ جذبات کے اسمیں جھونکے ہوں کچھ

ہو احساس کی عقل اگر پاسباں | رہے دل میں قائم سکوں کا سماں

جو چاہے یہاں پر خدا کا وصال | ہر اک شئے کا دل سے نکالے خیال

جو سرکش ہو مرکب عناں کھینچ لے | کہ دل کو سوئے جانِ جاں کھینچ لے

نہ سرزد ہوں انساں سے جب کار بد | وہ ہوتا ہے ہم رنگِ ذات احد

جو پہنچے گا اس طرح تجرید کو | وہ دیکھے گا کثرت میں توحید کو

نگہ جس طرف کو اٹھے سو بہ سو | نظر آئے ذاتِ احد روبرو

ہر اک چیز ہو ذات واحد میں گم | رنگے ذرے ذرے کو وحدت کا خم

موحّد کے دِل کو ہے حاصل سکوں | سدا مجھ میں وہ اور میں اس میں ہوں

وہ مجھ سے کبھی چھوٹتا ہی نہیں | یہ رشتہ کبھی ٹوٹتا ہی نہیں

جو واصل ہے حق میں کرے کوئی کام | مری ذات ہی میں ہے اُس کا قیام

طبیعت جو وحدت میں یکرنگ ہے | ہر اک حال سے وہ ہم آہنگ ہے

رہِ معرفت میں وہ کامل ہے فرد | جو سمجھے برابر ہیں خط اور درد

ہے وحدت کے آگے دوئی پائمال | یہ ہے رنگِ وجدانِ اہلِ کمال

کہا اس پہ ارجن نے اے جانِ من
عمل ایسی تعلیم پر ہے کٹھن

اگر یوگ ہے سب سکون و ثبات
تو مشکل بہت ہے طریقِ نجات

کہ یاں مضطرب دل کی یہ چال ہے
کہ من میں ہر اک لمحہ بھونچال ہے

وہ بگٹٹ ہے ایسا کہ رکتا نہیں
جھکا میں جدھر کو وہ جھکتا نہیں

شرارے اڑاتی ہے ہر سمت آگ
ہوا کی نہیں موڑ سکتے ہیں باگ

دیا اس پہ مرشد نے اس کو جواب
کہ بیشک ہے دل مائلِ اضطراب

یہ سچ ہے کہ سرکش ہے یہ راہوار
مگر تھامتے ہیں اسے شہسوار

جو مشقِ توازن کریں متصل
تو اک روز آخر سنبھلتا ہے دل

کیا کہا اس پہ ارجن نے پھر یہ سوال
نہ ہو یوگ میں جسکو حاصل کمال

جو باقی طبیعت میں ہیجان ہو
نہ رکتا کسی طرح طوفان ہو

جو حاصل اسے رتبہ عالی نہ ہو
مگر سینہ ایماں سے خالی نہ ہو

بتا ناقصوں کی ہے منزل کہاں
تلاطم زدوں کا ہے ساحل کہاں

ہے ان کے لئے بھی کوئی اور راہ ہے کیا یہ ضروری کہ ہوں وہ تباہ

یہ سمجھیں کہ وہ سب فنا ہو گئے دھواں بن گئے یا ہوا ہو گئے

بتا دے کوئی ٹھیک راہِ سلوک فقط تجھ سے ہی رفع ہونگے شکوک

کہا کرشن نے اس سے سن اے مرید تجھے نفع دے گی یہ گفت و شنید

جو ایمان سے راستی کوش ہے نہ بہتان اس پر نہ کچھ دوش ہے

وہ محفوظ ہر جا تباہی سے ہے کہ وہ بندگانِ الٰہی سے ہے

یہ ہے اجر حق کوشی راست باز رہے خلد میں ایک مدت دراز

گیا تھا جو عرفان کی رفعت سے گر اک اعلیٰ گھرانے میں آئیگا پھر

یہ ممکن ہے ہو، جوگیوں کا وہ گھر پہ ہوتی ہے مشکل مہم ایسی سر

بدن میں ابھرتے ہیں پہلے صفات نہیں رائیگاں جاتی خوبی کی بات

بڑھاتا ہے پھر اور آگے قدم کہ حاصل کرے کامیابی اتم

اسے کام آتی ہے مشقِ کہن کھچا جارہا ہے وہ بے جہد فن

طلب یوگ کی ہے وہ فرخندہ کار طلب ہی میں طالب ہے ویدونکے پار

وہ یوگی کہ کوشش میں ہے استوار　　گنہ سے ہے وہ پاک انجام کار
وہ مرکر کے سو بار جیتا گیا　　وہ امرت کے ہے جام پیتا گیا
کہ لے جائے کوشش اسے وصل تک　　پہنچ کر ہی رہتا ہے وہ اصل تک

○

اِدھر زاہدِ نفس کش سخت کوش　　عدوئے بدن دشمنِ ناؤنوش
اُدھر عالمِ نکتہ رس بے عمل　　سمجھتا ہے دانش ہے ہر شے کا حل
کسی کا سراسر عمل پر مدار　　ثمر جس سے حاصل ہو اور فردِ کار
یہ تینوں ہیں رستے سے بھٹکے ہوئے　　طبیعت کی الجھن میں اٹکے ہوئے

○

ہے جوگی کا ہر اک سے رتبہ بلند　　کہ علم و عمل سے ہے وہ ارجمند
یہ کوشش کر اے ارجنِ خوش خصال　　کہ حاصل تجھے یوگ میں ہوں کمال
وہ یوگی کہ حاصل ہے اس کو یقیں　　خودی چھوڑ کر ہے خدا میں مکیں
حقیقت میں اسکو ہے حاصل کمال　　جسے ہے میسر خدا کا وصال

ساتواں ادھیائے

جو چلتا رہا یوگ میں ٹھیک راہ
سمجھتا ہے مجھکو وہ اپنی پناہ

جو مجھ سے فقط لو لگائے رہے
نگاہوں کو مجھ پر جمائے رہے

کرم یوگ پر گر عمل ٹھیک ہے
تو سن ایک نکتہ جو باریک ہے

بتاتا ہوں اب تجھ کو رازِ حیات
کہ پھر جس سے آگے نہیں کوئی بات

کہ جاں کا اجالا ہے وہ معرفت
ہر اک شک سے بالا ہے وہ معرفت

بمشکل ہزاروں میں ہے اِک مثال
کہ ہو جس کا مقصد حصولِ کمال

پھر ان کاملوں میں ہیں کم خوش صفات
جو پہنچے حقیقت میں تا سرِّ ذات

یہ پانی یہ مٹی ، یہ آگ اور ہوا
یہ آکاش اور نفس انسان کا

اسی طرح سے عقل اور پھر خودی
ان آٹھوں میں ظاہر ہے قدرت مری

ان آٹھوں کا لیکن ہے ادنیٰ مقام
کہ ہے پست فطرت کا ان سے قیام

بلند ان سے وہ سرِّ مکتوم ہے
ہے جس سے حیات اور وہ قیوم ہے

سبھی جانداروں کا مصدر ہے وہ
ہر اک جان کو شکمِ مادر ہے وہ

○

مجھی سے نکلتی ہے ساری حیات
ہے پھر مجھ میں واپس یہ کُل کائنات

نہیں کوئی ہستی میں مجھ سے بلند
میں ہوں ساری اشیاء کا شیرازہ بند

نہیں کوئی شے مجھ سے کھوئی ہوئی
یہ مالا ہے مجھ میں پروئی ہوئی

ہوں پینے میں مَیں ہی مزا آب کا
میں ہوں نور خورشید و مہتاب کا

فضا میں ہوں لفظ اور آواز میں
ہوں ہر وید میں 'اوم' کا راز میں

مجھی سے ہے مردانگی اور زور
مجھی سے ہے دریا کے طوفاں میں شور

میں مٹی کی خوشبو ہوں آتش کی ضو
میں ہوں ہر جگہ زندگانی رَو

میں معبود و جوشِ عبادت ہوں میں
کہ زاہد کا زُہد و ریاضت ہوں میں

مری ذات ہے سب کا تخمِ حیات
نکلتی ہے مثلِ شجر کائنات

مجھی سے ہے عقل و خرد کا وجود
مجھی سے ہے ساری شکوہ و نمود

مجھی سے ہے ہر زور آور کا زور
نہیں جسمیں جوشِ تمنا کا شور

میں وہ آرزو ہوں جو ہے عین دھرم
نہیں چاہئے جسکے کرنے میں شرم

ہیں فطرت میں پھیلے ہوئے تین گُن
خیالات و اشیاء میں ہیں کارگُن

ہم آہنگی ستوہ ہے حرکت رجہ
جمود اور تغافل کا ہے گُن تَمہ

ہوں قدرت سے موجود ہر گن میں مَیں
وہ مجھ سے ہیں لیکن نہیں ان میں مَیں

جہاں سارا کھا کر فریبِ صفات
نہیں جانتا یہ منزّہ ہے ذات

جو واجب ہے، باقی ہے فانی نہیں
کسی رنگ میں آنی جانی نہیں

گنوں سے بنا میری مایا کا دام
پھنسی رہتی ہے جسمیں ہر عقلِ خام

عجب سیمیا ہے حجابِ صفات
ذرا دیکھ الٹ کر نقابِ صفات

مری سمت آئے جو اہلِ نظر
وہ جاتا ہے مایا سے جلدی گزر

اگر عقل ہے مات تلبیس سے
تو انسان بدتر ہے ابلیس سے

جو کھائے فریبِ حیاتِ غرور
وہ رہتا ہے میری حقیقت سے دور

کوئی جس نے نیکی کمائی نہیں
کبھی اسکی مجھ تک رسائی نہیں

نہ ہیں دھرم کے یہ نہ ہیں دین کے
یہ اخوان ہیں سب شیاطین کے

میرے نیک بندوں کی قسمیں ہیں چار
عبادت میں اُنکے الگ ہیں شعار

ہے اک وہ کہ ہے جس کو دکھ اور درد
ہے رنگ اس کا زرد اور آہیں ہیں سرد

دوّم ایسا مردِ نکوکار ہے
سدا معرفت کا طلبگار ہے

ہے اک تیسرا جو غرض مند ہے
حصولِ مقاصد میں خورسند ہے

چہارم ہے وہ مردِ یزداں شناس
کسی اور شے کی نہیں اس کو پیاس

بس افضل اسی اِک کا کردار ہے
جو ذاتِ احد کا پرستار ہے

وہ طالب بھی ہے اور مطلوب بھی
وہ عاشق بھی ہے اور محبوب بھی

ہر اک اپنی اپنی جگہ نیک ہے
مگر ان میں برتر وہی ایک ہے

جو کامل ہے عشق اور عرفان میں
ہے بستا خدا ایسے انسان میں

میں اس کیلئے ہوں رہِ مستقیم
ہوں منزل بھی میں جسمیں ہے وہ مقیم

کئی بار لے کر جہاں میں جنم
پہنچتا ہے مجھ تک وہ بے رنج و غم

یہ کہتا ہے ہو کر وہ مجھ میں مکیں
ہے سب واسدیو اور کچھ بھی نہیں

جہاں میں ہے ایسوں کی نادر مثال
جنہیں اس طرح سے ہو حاصل کمال

○

جو اہلِ غرض ہیں عبادت گذار
ہیں رسمی عبادات ان کا شعار

جو بے عقل ہے آرزوؤں میں شاد ‏ وہ ہے مانگتا دیوتا سے مراد

بھگت دیوتاؤں کا ہے گر کوئی ‏ عقیدے کو کرتا ہوں اس کے قوی

اگر ان پہ ایمان رکھتا ہے وہ ‏ تو پھل اپنی پوجا کا چکھتا ہے وہ

یہ ایمان مجھ سے، ثمر مجھ سے ہے ‏ تمناؤں کا سب اثر مجھ سے ہے

جھلک ہے وہ آخر مرے نور کی ‏ اسے مجھ سے نسبت ہے کچھ دُور کی

○

مگر ناقصوں کا جو مقصود ہے ‏ جو ہے اجر اس میں وہ محدود ہے

یہ ناقص گئے دیوتا کی طرف ‏ خدا والے آئے خدا کی طرف

○

ہے جس شخص کی عقل میں کچھ فتور ‏ وہ جب دیکھتا ہے نمود و ظہور

نہیں ہے اگر عارفِ عین ذات ‏ سمجھتا ہے حق ہے یہی کائنات

فنا سے مبرّا ہے لیکن وہ روپ ‏ ہے نورِ ازل میں نہ چھاؤں نہ دھوپ

میرے رُخ پہ مایا کی ہے اِک نقاب ‏ چمک جس کی ہے مثل موج سراب

ہے دھوکا بہت اس سے کھایا گیا ‏ یہ پردہ بہت کم اٹھایا گیا

نہ میں آفریدہ نہ فانی ہوں میں ‏ ہر اک چیز کی زندگانی ہوں میں

جو گذری، جواب ہیں، جو ہونگی کبھی
مرے علم میں ہستیاں ہیں سبھی

مگر کون ہے جو مجھے جان لے
مری اصل ہستی کو پہچان لے

تمنّا و نفرت کا ہو کر شکار
ہے اضداد سے سب جہاں بیقرار

حقیقت سے دنیا میں واقف ہیں کم
یہ دنیا ہے ساری بھرم ہی بھرم

مگر جن کے سارے گنہ ڈھل گئے
ہیں در ان پہ اسرار کے کھل گئے

چُھٹے ہیں وہ اضداد کے وہم سے
جو بھکتی میں میری ہیں قائم ہوئے

○

جو لیتا ہے ذاتِ احد میں پناہ
اسی نے ہے پائی حقیقت کی راہ

وہ کوشش میں رہتا ہے دن اور رات
ملے آمد و شد سے اس کو نجات

اسی کا ہے علم اور اسی کا عمل
اسی پر درخشاں ہے نور ازل

○

یہ قربانیاں اور یہ نذر و نیاز
عناصر کا اور دیوتاؤں کا راز

مرا علم ہے اس طرح کا بسیط
کہ ان ساری چیزوں پہ ہے وہ محیط

جو ہے مجھ کو اس طرح پہچانتا
دم مرگ بھی ہے مجھے جانتا
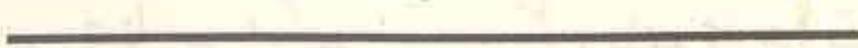
آٹھواں ادھیائے

ہے کیا جوہرِ ہستیِ سرمدی
ہے کیا ذاتِ واجب فنا سے بری

کس انداز کا ہے وہ عرفانِ ذات
کہ ہے سامنے جس کے ہر علم مات

کرم کی ہے کیا کنہ، ہے کام کیا
عمل کا ہے آغاز و انجام کیا

عناصر کا، دیوتاؤں اور یگ کا علم
مجھے بخش ہستی کی رگ رگ کا علم

اگر دل ہے پاکیزہ اور مطمئن
اجل جب کرے ختم جینے کے دن

ہے کیا معرفت جو دمِ واپسیں
ہو پیدا بہ انداز حق الیقیں

○

قدیم اور باقی فقط ہے وہ ذات
جو برتر ہے جس کو نہیں ہے ممات

وہی ادھیاتم ہے اے خوش صفات
کہ اصلِ حقیقت ہے عرفانِ ذات

یہ آنا یہ جانا یہ جینا یہ مرگ
عمل سے ہویدا ہے یہ ساز و برگ

عمل ایک چشمہ ہے نہریں ہیں یہ
اسی کرم ساگر کی لہریں ہیں یہ

یہ مٹی ہوا، آگ پانی کا علم
ہے میرے ظہوراتِ فانی کا علم

پُرش کی ہے قوت حیات آفریں
ہے جانِ خدایانِ روشن جبیں

پُرش ہی سے تخلیق کا کام ہے
ادھی دیو اسی علم کا نام ہے

پہنتا ہوں تجسیم کا میں لباس
ادھی یگیہ ہے اس سے محکم اساس

○

کسی کی یہ حالت ہو مرتے ہوئے
کہ گذرے مجھے یاد کرتے ہوئے

یقینی ہے پھر مرنے والے کا حال
کہ حاصل ہوا اس کو مجھ سے وصال

دمِ مرگ جس شے کی یاد آئیگی
اسی سمت میں یہ جاں کھچی جائیگی

دل اپنی تمنا سے مغلوب ہے
کہ طالب کی جاں رہنِ مطلوب ہے

سدا تیرے دل میں ہو میرا خیال
خصوصاً بوقت جہاد و قتال

مجھی سے اگر لو لگائے گا تو
تو بیشک مرے پاس آئیگا تو

اگر قلب تیرا نہ ہو منتشر
توجہ سے مرکز پہ جائے ٹھہر

تو واصل ہو روحِ الٰہی سے تُو
بچے ہر طرح کی تباہی سے تُو

اگر یاد اس کی ہے دل میں نہاں جو ہے ماورائے زمان و مکاں

قدیم و علیم اور جہانوں کا رب کفِ دست میں جسکے ہیں سب کے سب

جو بے حد لطیف اور باریک ہے نگاہوں کا نور اس میں تاریک ہے

وہ مہرِ ازل ذرّہ افروز ہے و لیکن تجلی نظر سوز ہے

قیاس و گماں سے پرے وہم سے بہت دور ادراک اور فہم سے

دمِ مرگ جو دِل کو یکسو کئے ہے روئے خدا کی طرف رُو کئے

وہ جاتا ہے سیدھا خدا کی طرف فنا سے گیا وہ بقا کی طرف

جسے ذاتِ باقی کہیں ویدداں تغیر کا جس میں نہیں ہے نشاں

جو ہے منزلِ رہروِ بے ہوس وہی طالبوں کا ہے مقصود بس

تجرّد ہے جس کے لئے رہنما جسے چاہتا ہے ہر اِک پارسا

بتاتا ہوں اب تجھ کو میں مختصر کہ کیا ہے طریقِ دلِ باخبر

طبیعت کو ہر ایک شے سے اکھاڑ سبھی بند کر لے بدن کے کواڑ

ہر اک سمت سے دل کو بس روک لے دم اوپر کو کھینچ اور نفس روک لے

مری یاد میں ہو دل مستقیم
لبوں پر ہو تیرے الف واوَ میم

لبوں پر یہ ''اوم'' ایسی آواز ہے
کہ جس میں اس اک ذات کا راز ہے

دمِ مرگ ہو گر یہی کیفیت
پہنچتا ہے منزل پہ فوراً بھگت

ہے دل جس کا لبریزِ یادِ خدا
نہیں جس میں گنجائشِ ماسوا

نہ بیتاب ہو گا نہ گھبرائے گا
سہولت سے مجھ تک پہنچ جائے گا

جو ہر لمحہ دل میں مرا دھیان ہے
تو مجھ تک رسائی بھی آسان ہے

پہنچ جائے مجھ تک اگر روح پاک
جنم کی قبا کو سمجھ چاک چاک

نہ لیگی وہ پھر اس جہاں میں جنم
کہ ہے یہ جہاں عالم رنج و غم

وہ پاتی ہے ایسا سکونِ ازل
نہیں ہے تغیر سے جس میں خلل

نہیں کوئی عالم کہیں پائیدار
ہو جس میں قیام و ثبات و قرار

مگر جس کا مجھ میں ٹھکانا ہوا
ہے ختم اُس کا سب آنا جانا ہوا

O

خدا کے انوکھے ہیں سال اور سن
ہزاروں یگوں کا ہے واں ایکدن

زمانے کے ہیں اور ہی کچھ صفات
خدا کی ہزاروں یگوں کی ہے رات

سمجھتے ہیں جو ہیں دن اور رات کیا
وہی جانتے ہیں یہ ہے بات کیا

ہو جس وقت روز خدا کی نمود — عدم سے ابھرتے ہیں سارے وجود
جہاں رات ہو جائے مرتے ہیں سب — عدم کی طرف عود کرتے ہیں سب

مگر ذات ہے اک عدم سے پرے — تغیر سے اور بیش و کم سے پرے
اسی ذات کو ہے ہمیشہ بقا — وراءُ الوراء اور وراءُ الوراء
وہی جاں کا مبدا وہی منتہا — وہی ہے حقیقت میں ذاتِ خدا
ہے ذاتِ الٰہی بہشتِ بریں — جو پہنچے وہاں پھر کے آئے نہیں

اسی سے ہے قائم جہاں کا وجود — اسی سے ہے سارا شہود و نمود
یہی ہے حقیقت میں عشقِ خدا — شریکِ تصوّر نہ ہو ماسوا

ہے مرنے کے اوقات پر بھی مدار — کہ انجام کا اُن پہ ہے انحصار
سماں اک ہے وہ جبکہ جوگی مرے — تو ہرگز جہاں میں نہ رجعت کرے
ہے اک وقت ایسا پھرائے خوش گہر — جو اس میں مرا آئیگا لوٹ کر

ہو جب روز روشن کا نور اور ظہور درخشاں ہوں جس وقت نار اور نور

دو ہفتے ہوں یا نورِ مہتاب کے سماں وہ کہ ہر من کا غنچہ کھلے

مبارک سلامت ہے وہ نصف سال جو اُتّر کی جانب ہے سورج کی چال

جو عارف مرے ایسے اوقات میں وہ ملتا ہے اس سرمدی ذات میں

دھواں ہے اگر اور اندھیری ہے رات اندھیرے میں ہر شے ہے گم اور مات

دو تاریک ہفتوں کا گر ہے سماں مبارک نہیں وقت وہ بیگماں

یقیناً ہے منحوس وہ نصف سال جو دکھن کی جانب ہے سورج کی چال

جو عارف مرے ایسے اوقات میں وہ ملتا نہیں سرمدی ذات میں

وہ عالم میں مہتاب کے جائے گا جہاں میں دوبارہ جنم پائے گا

ہے اک راہِ ظلمت تو اک راہِ نور ہے اِک بے فتور اور اک میں قصور

رہِ نور پر جو ہُوا خوش خرام تو ذاتِ احد میں ہے اس کا قیام

کرے دوسری راہ گر اختیار تو دنیا میں آنا ہے پھر بار بار

نہ عارف پھنسے گا کبھی موہ میں نہ جان کو گھلائے گا اندوہ میں

لگا رہ تو ارجن سدا یوگ میں نہ ہوں جاں تیری روگ اور سوگ میں

○

عمل کا ثمر اور عبادات کا
عوض زہد و مشق و ریاضات کا

اسی طرح خیرات و نذر و نیاز
حصولِ غرض کے لئے سب نماز

ہو جس وقت حاصل اُسے معرفت
انہیں چھوڑ جاتا ہے پیچھے بھگت

پرے ان سے ہے وہ مقامِ بقا
جہاں پر فقط ہے خدا ہی خدا

نواں ادھیائے

تجھے ہے مری ذاتِ حق پر یقیں
تو اسرارِ حق میں نہیں نکتہ چیں

میں تجھ پر ہوں وہ راز اب کھولتا
اور حکمت کی وہ بات ہوں بولتا

سراسر ہے جو علم و دانش کی بات
گناہوں سے ملتی ہے جس سے نجات

یہ علموں کا علم اور رازوں کا راز
بناتا ہے انساں کو جو پاکباز

سراسر ہے یہ راستی اور دھرم
عمل میں ہے یہ صاف سہل اور نرم

جو اس میں حقیقت ہے فانی نہیں
کہ یہ راستی آنی جانی نہیں

صداقت جہاں میں اکالی ہے یہ
کہ ہر اک ملاوٹ سے خالی ہے یہ

حقیقت سے جو شخص گرتا رہا
تباہی کی راہوں میں پھرتا رہا

بھٹکتا پھرے گا کہیں کا کہیں
وہ گمراہ مجھ تک پہنچتا نہیں

مجھی سے ہے لبریز ہر ایک شے
مجھی سے ہے جو کچھ کہ دنیا میں ہے

اگرچہ میں ہر شے کی بنیاد ہوں مگر خود جزو کل سے آزاد ہوں
تضاد اس میں سمجھے نہ کچھ نکتہ ہیں کہ سب ہستیاں مجھ میں ہیں اور نہیں
میں سب کا سہارا ہوں قیوم ہوں مگر ان میں ڈھونڈو تو معدوم ہوں
تو سلطانیٔ حق کی قدرت کو دیکھ منزّہ، مبّرا، حقیقت کو دیکھ
ہواؤں کا آکاش میں ہے وجود ہوں ایسے ہی میں مصدرِ ہست و بود
جو انجام پاتا ہے دورِ حیات پلٹتی ہے میری طرف کائنات
مجھی سے دوبارہ ابھرتی ہے پھر مجھی سے بگڑتی سنورتی ہے پھر
مجھی سے نکلتے سنبھلتے ہیں سب مجھی سے یہ چشمے ابلتے ہیں سب
جو ظاہر ہوئے یا جو مستور ہیں وہ سب میری قدرت سے مجبور ہیں
ہے پوشیدہ رازِ نموئے شجر مگر نکلے آتے ہیں برگ و ثمر
میں اعمال و حرکت کی بنیاد ہوں مگر خود تگ و دو سے آزاد ہوں
نہ مخلوق ہے مجھ کو پکڑے ہوئے نہ اعمال ہیں مجھ کو جکڑے ہوئے
سکون اور حرکت ہیں فطرت کے کھیل میری ذات کا کچھ نہیں ان سے میل
اسی طرح چلتا ہے فطرت کا دور بدلتے ہیں ایسے ہی اشیاء کے طور
اگر شکلِ انساں کی پہنوں نقاب تو وہ جاہلوں کیلئے ہے حجاب

نہ سمجھے وہ پنہاں ہے اسمیں وہ ذات ہے سب جانداروں کی جس سے حیات

○

نہ علم و عمل سے ہیں وہ بہرہ مند نہ اُمید سے ان کی ہمت بلند
بداندیش و بدکار و بدبیں ہیں وہ کہ انسان ہو کر شیاطیں ہیں وہ
ہے گردن میں جنکی ہوس کی رسن ہیں ایندھن جہنم کے یہ اہرمن

○

مگر برگزیدہ اور اعلیٰ بشر جو یزداں کی فطرت سے ہیں بہرہ ور
جو واقف ہوئے ذات جاوید سے اور آگاہ ہیں سرمدی بھید سے
لگا ہے اسی کی طرف ان کا من اسی کا ہے ورد اور اسی کا بھجن
جو مصدر ہے ہر ایک جاندار کا نہ جس کو تغیر نہ جس کو فنا
جو ہمت سے کرتے ہیں ہر نیک کام وفا کرتے ہیں اپنے وعدے تمام
وہ ہیں بندگان خدائے ودود کہ ہستی ہے ان کی سراپا سجود
عمل میں خیال اور تقریر میں وہ ہیں محو تسبیح و تکبیر میں

○

فریق اور ہے ایک دانائے راز کہ حکمت سے ہے اس کی نذر و نیاز

ہو وحدت کی کثرت وہ ہے غرق ہُو
وہی ہے وہی روبرو سو بہ سو

مری روح ہر یگ میں موجود ہے
عبادت میں بھی روحِ معبود ہے

میں قربانیاں اور منتر ہوں میں
دعا اور صدقے کے اندر ہوں میں

بزرگوں کے ناموں کی نذر و نیاز
ہے سب میں مری ذات ہی کارساز

میں گھی اور آگ اور ہون بھی ہوں میں
جو اس پر پڑھیں وہ سخن بھی ہوں میں

سہارا جہانوں کا میں آپ ہوں
میں سب اہلِ دنیا کا ماں باپ ہوں

میں عالم بھی ہوں اور معلوم بھی
میں قائم بھی ہوں اور قیوم بھی

میں ہوں ''اوم'' کے اسمِ اعظم کا بھید
میں ہر سہ ہوں رِگ سام اور یجر وید

میں منزل ہوں اور خود ہوں راہِ حیات
میں خود ہوں قیام اور پناہِ حیات

میں شوہر ہوں دنیا کا اور رب ہوں میں
جو مصدر ہیں اشیاء کے وہ سب ہوں میں

میں عشق ہوں اور مبداء و منتہا
ہوں کون و فساد اور فنا و بقا

وجود و عدم کا خزانہ ہوں میں
اُگے جس سے دنیا وہ دانا ہوں میں

ہے میرے ہی ہاتھوں میں بارش کی باگ
ہیں قبضے میں میرے ہوا اور آگ

فنا و بقا اور بود و عدم
منم ہر چہ باشد منم آں منم

○

یہ ویدوں کے پنڈت یہ سب سوم نوش
نہیں جنکے اندر گناہوں کا جوش

وہ دیتے ہیں جب کچھ مرے نام پر
ہیں جنت میں اُمیدوارِ ثمر

دعاؤں میں جنت کے خواہاں ہیں وہ
کہ عیش اور راحت کے خواہاں ہیں وہ

وہ پاتے ہیں جنت میں بیشک مقام
جہاں دیوتاؤں سے ہیں ہم طعام

وہ جی بھر کے کھائیں پئیں گے وہاں
وہ کچھ عرصہ یوں ہی جئیں گے وہاں

ثمر جب کہ اعمال کا کھا چکے
جو لینا تھا ان کو وہ سب پا چکے

وہ آئیں گے دنیائے فانی میں پھر
یہ مچھلی گری اپنے پانی میں پھر

جو ویدوں میں انعام مذکور ہیں
وہی ایسے عابد کو منظور ہیں

نہیں ہے مگر اجر یہ پائدار
نہ اس کو قیام اور نہ اُس کو قرار

فقط جاں ہے اس کی بقا کیلئے
جو پوجے خدا کو خدا کیلئے

○

پجاری جو یاں دیوتاؤں کے ہیں
پرستار لاکھوں خداؤں کے ہیں

اگرچہ خلافِ طریقت چلے
وہ میری ہی کرتے عبادت چلے

خداوند ہوں اور بندہ نواز
مجھی تک پہنچتی ہے نذر و نیاز

بصیرت نہیں تھی جنہیں ذات میں
گرے جا کے ادنیٰ سی لذّات میں

کسی کو ہے گر دیوتاؤں کی پیاس
پہنچ جائے گا ایکدن ان کے پاس

جو پتھروں کی پوجا میں جائے اٹک
پہنچتا ہے آبا وَ اجداد تک

جو فطرت کے بھوتوں کی پوجا کرے
عناصر سے جا کر وہ آخر ملے

ہے عابد کو وصل اپنے معبود سے
ہے طالب کا میل اپنے مقصود سے

گئے اور سب ماسوا کی طرف
خدا والے آئے خدا کی طرف

○

کوئی ایک پتّا کوئی پھول پھل
نہ ہو کچھ بھی شئے تو بس اک گھونٹ جل

جو بھگتی سے ہو بھینٹ ہے وہ قبول
نہیں اس میں درکار ساماں فضول

ترا کھانا پینا ہو میرے لئے
تیرا مرنا جینا ہو میرے لئے

عبادت ریاضت کہ خیرات ہو
مرے واسطے تیری ہر بات ہو

عمل کی جو اچھی بری ہیں قیود
نہیں ان کا باقی رہے گا وجود

جو کھل جائے دل پر ترے رازِ ترک
ہے وحدت کی لے نغمۂ سازِ ترک

جو بندہ علائق سے آزاد ہے
وہ میری حقیقت میں آباد ہے

برابر ہے ہر ایک ہستی مجھے
ہے یکساں بلندی و پستی مجھے

نہ مائل کسی پر نہ ہوں میں نفور
نہ نزدیک اس سے نہ ہوں اس سے دور

مگر جس کی ہے میرے در پر جبیں
میں اس میں ہوں اور ہے وہ مجھ میں مکیں

اگر دل سے تائب گنہگار ہے
سمجھ لو کہ وہ نیک کردار ہے

کہ نیت پہ ہے سب عمل کا مدار
سنور جائیگا اس کا سب کاروبار

نہیں اس کے ایمان میں گر خلل
اُسے ہوگا حاصل سکونِ ازل

ہوئے گرچہ گمراہ تھوڑے بہت
نہیں ہونگے برباد مرے بھگت

○

اگر ویش ہے یا ہے شودر کوئی
ہے زن بھی مری راہ پر گر کوئی

اگر کوئی پیدا ہوا پاپ سے
ہوا کچھ قصور اس کے ماں باپ سے

غرض لے کوئی بھی جو مجھ میں پناہ
کشادہ ہے اس پر ترقی کی راہ

چہ جائیکہ چھتری ہو یا برہمن
صفا کیش من اور پاکیزہ تن

یہ فانی جہاں عالم بے سرور
ہے موجِ سراب اور حقیقت سے دور

گہر ہوں میں اسمیں وہ ہے اک صدف
اسے چھوڑ کر آوٴ میری طرف

عبادت تری اور نذر و نیاز
ہو حق کیلئے جو ہے بندہ نواز

پرستش سے ہے بس یہی مدعا　　کہ من اپنا ذاتِ اَحد پر جما

مرے سامنے کر رکوع و سجود　　اگر چاہتا ہے سلام و خلود

حقیقت میں مَیں ایک معبود ہوں　　جو منزل تیری اور مقصود ہوں

دسواں ادھیائے

سری کرشن بولے کہ اے پاکباز
میں اب کھولتا ہوں حقیقت کا راز

سناتا ہوں تجھ کو کلامِ بلند
ذرا کان دھر کر سن اے ہوشمند

کہ ہے بہتری تیری مدِّ نظر
مری جاں ہے تیری محبت کا گھر

○

رشی اور خدایانِ روشن جبیں
مرا راز ان پر بھی افشا نہیں

نہ جانیں وہ میں کیسے پیدا ہوا
میں دنیا میں کیسے ہویدا ہوا

مجھی سے ہوا اُن کا آغاز ہے
مری ذات اُن کے لئے راز ہے

○

اگر جان لیتا ہے مردِ حکیم
ہے نا آفریدہ خدائے قدیم

زمینوں کا رب آسمانوں کا رب
وہی ایک ہے سب جہانوں کا رب

ہے پھر اس میں باقی نہ دھوکا نہ جھوٹ وہ جاتا ہے سارے گناہوں سے چھوٹ

مری بود ہے مصدرِ ہر نمود مجھی سے برآمد ہیں سارے وجود

کہیں پر ہے دھوکا کہیں گیان ہے کہیں ضبطِ دل اور کہیں دھاین ہے

کہیں پر ہے لذّت کہیں پر الم کہیں پر وجود اور کہیں پر عدم

کہیں پر رضا اور تسلیم ہے کہیں پر رجا اور کہیں بیم ہے

کہیں پر ہے زہد و ریاضت کا زور کہیں پر ہے بہتان و شہرت کا شور

اہنسا، مساوات، صبر اور دان نمایاں ہے ہر ایک میں میری شان

○

رشی ہیں جو سات اور کنوارے ہیں چار منو بھی ہوئے مجھ سے ہی آشکار

انہیں سے ہے آگے یہ خلقت ہوئی ہے اس نوع کی ان سے کثرت ہوئی

جو واقف ہوا اس قوت اور یوگ سے بری ہو گا وہ روگ اور سوگ سے

○

صداقت سے لبریز ہے یہ سخن نہ کچھ اس میں شک اور نہ کچھ اسمیں ظن

مری ذات ہر شئے کی خلاق ہے نکلتی مجھی سے ہے ہر ایک شئے

جنہیں اس حقیقت کا عرفان ہے سدا ان کا میری طرف دھیان ہے

انہوں نے مجھی میں جمایا ہے من
ہے میری ہی بابت سب ان کا سخن

وہ میرے ہی سب آرزومند ہیں
سدا مطمئن اور خورسند ہیں

مری ذات سے جو ہم آہنگ ہیں
مرے نغمۂ عشق کے چنگ ہیں

محبت میں اسی طرح ڈوبے جو لوگ
انہیں بخشتا ہوں میں بُدھی کا یوگ

مرے پاس ہے ایسی حکمت کا نور
کہ جس سے جہالت کی ظلمت ہو دُور

میں سینوں میں ہوں مثلِ شمعِ حرم
ہے ظلمت رُبا میرا رحم و کرم

○

کیا اس سے ارجن نے پھر یہ خطاب
حقیقت تری ہو اگر بے نقاب

ہر اک جاں کا ملجاو ماوا ہے تُو
صفا اور عفت کا دریا ہے تُو

تو ہی بے فنا ہے پُرش ایزدی
ہے ذات الٰہی فقط سرمدی

○

رشی دیونارد، است اور ویاس
تھی دلوں کے لب پر بھی حمد و سپاس

ثنا تیری کرتے تھے سارے رشی
مگر آج خود تیرے منہ سے سنی

میں تیرے کہے کو ہوں سچ مانتا
تری بات کو ہوں میں حق جانتا

نہ ہے دیوتاؤں پر افشا یہ راز
نہ ہے دانوؤں پر یہ دروازہ باز

نہیں جانتے ہیں وہ تیرا ظہور
ہوا کس طرح تیرا اشراقِ نور

کوئی غیر تجھ کو ہے کب جانتا
تو ہے آپ اپنے کو پہچانتا

جہاں میں ہے مطلق ترا اقتدار
تجھی سے ہویدا ہیں سب جاندار

ہراک جاں سے اُتم جگت کا پتی
کہ ہے دیوتاؤں کا دیوتا تو ہی

○

جہانوں میں ہے جو تجلّی عیاں
ذرا کھول کر اس کو کیجئے بیاں

وہ کیا طاقتیں تیری پُر نور ہیں
کہ سارے جہاں جن سے بھرپور ہیں

توجہ سے کرتا رہوں میں جو ذکر
ترے کن مظاہر کو پائے گا فکر

بتا پھر سے یوگ اور تجلّی کا حال
ہے بھاتا مرے دل کو تیرا مقال

طبیعت بھری اس سے میری نہیں
ان امرت سی باتوں سے سیری نہیں

○

سری کرشن بولے ہو تجھ پر سلام
ذرا غور سے سن یہ میرا کلام

صفات اپنے بےانت پاتا ہوں میں
جو ممتاز ہیں وہ بتاتا ہوں میں

مری ذات ہے جوہر ہر وجود
میں ہر شئے میں ہوں مرکزِ ہست و بود

میں اوّل ہوں، وسط اور آخر بھی ہوں
میں اندر بھی ہوں اور باہر بھی ہوں

ادتیوں میں وشنو ہوں اے میری جاں
مریچی مروتوں میں ہوں بیگماں

چمکنے میں ہر شئے سے بالا ہوں میں
ہوں سورج کہ کرنوں کی مالا ہوں میں

سمجھ مجھ کو اجرامِ نوری میں چاند
کہ جس کی ضیا سے ستارے ہیں ماند

مری ذات کا پالے کچھ اس سے بھید
میں ویدوں میں گویا کہ ہوں سام وید

مجھے دیوتاؤں میں اِندر سمجھ
حسوں میں مجھے من کے اندر سمجھ

ہوں جس طرح میں جاندار وں کا نفس
ہوں دنیا کے سب جاندار وں کا نفس

ہوں ور دن میں شنکر کے مانند میر
اگر راکشش ہوں تو سمجھو کہ بیر

وسووں میں پاوک کی صورت ہوں میں
پہاڑوں میں کھیرو کی مورت ہوں میں

پروہت ہوں تو برہسپتی جان لے
ہوں سینا پتی تو سکند مان لے

ذخیروں میں پانی کے قلزم ہوں میں
کہ بحرِ بقا کا تلاطم ہوں میں

اگر مہرشی ہوں تو بھر گو سمجھ
گلستانِ عرفاں کی خوشبو سمجھ

میں گویائی میں الف، واؤ، میم
کہ ہے اسمِ اعظم یہ لفظِ قدیم

عبادت میں ہوں میں ہی ذکر اور ورد
جو پھرتا ہے ذاتِ الٰہی کے گرد

جو اشیا ہیں یاں ساکن و پُروقار
میں ان میں ہمالہ کا ہوں کوہسار

درختوں میں پیپل کا ہوں میں درخت
تو رشیوں میں ہوں نار دِ نیک بخت

گندھربوں میں ہوں میں چترتھ مثال
کپل سا ہوں سدھوں میں مَیں باکمال

ہوں گھوڑوں میں امرت متھن راہوار
تو فیلوں میں ایراوتِ پُر وقار

اگر نوعِ انسان میں ڈھونڈو مثال
ہے شاہوں کے مانند میرا جلال

اگر اسلحہ ہوں تو ہوں رعدو برق
لرزجاتے ہیں جس سے سب غرب وشرق

اگر گائے ہوں کام دھینو ہوں میں
مرادونکی جنت ہوں مینوں ہوں میں

جو افزائش نسل کا کام ہو
تو کندرپ اس میں مرانام ہو

جوسانپوں میں پوچھوں تو ہوں باسکی
کہ ہے خوفناک اس میں قوت بھری

اننت ان میں ہوں میں اگرناگ ہوں
نفس جن کے جلتی ہوئی آگ ہوں

ورن کی طرح آب میں ہوں اہم
اریما ہوں پتروں میں شاہوں میں اہم

حسابوں میں ہوں میں زمانے کا پھیر
درندوں میں دیکھو تو ہوں مثلِ شیر

اسی طرح دیتوں میں پرہلاد ہوں
ہوں جس نوع میں اُسکا استاد ہوں

پرندوں میں ہوں نیل کنٹھ اک پرند
سواری ہے وشنو کی جس پر بلند

میں ہوں تیز رفتاریوں میں ہوا
میں ہوں رام کی طرح جنگ آزما

سمجھ لے مجھے مچھلیوں میں مگر
ہے دریاؤں میں میری گنگا سی فر

ہوں دنیا کا آغاز و انجام و وسط
بیاں میں ہے مشکل مری شرح وبسط

جو علموں میں پوچھو تو ہوں علمِ ذات
کہ افشا ہوا جس سے رازِ حیات

میں ہر علم کی شرح و تفسیر ہوں
خطیب اور مناظر کی تقریر ہوں

الف ہوں حرفوں میں اے ہوشمند
مرکب میں دیکھوں تو میں ہوں دوند

مری ذات ہے ہر طرف سُو بسُو
جدھر رُخ کو پھیرو اُدھر رو برو

ہے دنیا سبھی کارخانہ مرا
ازل سے ابد تک زمانہ مرا

مجھی سے نکلتی ہے ساری حیات
مجھی سے ہے آخر فنا اور ممات

کہیں پر ہوں فہم اور ثباتِ قدم
کہیں پر ہوں شہرت کہیں پر کرم

کہیں پر ہوں سیرت کہیں پر جمال
کہیں حافظہ ہوں کہیں ہوں خیال

اگر سام ہوں تو برہت سام ہوں
میں خوش نام ہوں اور خوش کام ہوں

میں چھندوں میں گائیتری چھند ہوں
دلِ افروز نغموں سے خورسند ہوں

مہینوں میں ساکھ اور رُتوں میں بسنت
اگرچہ نہ آغاز میرا نہ انت

مہمات میں فتح کی ہوں مثال
ہوں سچّو نکا سچ اور جھوٹوں کی چال

ہوں ذیشان چیزونکی شان و شکوہ
ارادوں میں ثابت ہوں مانندِ کوہ

مجھے یادوٗں میں سمجھ واسدیو
فروتر ہیں سب جس سے انسان و دیو

اگر پانڈوٗں میں ہوں ارجن قوی
تو میں شاعروں میں ہوں اشنا کوی

جو مینوں کا ہو ذکر میں ہوں ویاس
وہ مینوں کا سردار مینوں کا راس

جہاں سلطنت ہے سیاست ہوں میں
کہ تدبیرِ ہر فتح و نصرت ہوں میں

میں اسرار میں ہوں خموشی کی شان
مری ذات سے ہے گیانی کا گیان

جہاں میں ہوں میں تخمِ بود و نمود
الگ ہو کے مجھ سے نہ ہو کچھ وجود

کھڑے اور چلتے کی میں جان ہوں
میں سب کا کفیل اور نگہبان ہوں

ہیں بے انت میرے قوائے حیات
بیاں جو ہوا مختصر سی ہے بات

ہے جو کچھ جمال و جلال و کمال
ہے جزوِ الوہیت لا زوال

مگر نفع کیا ایسی تمثیل سے
نہیں فائدہ کوئی تفصیل سے

نمایاں ہیں اک جزو سے سارے جگ
مگر اصل ہے پھر الگ کی الگ

گیارہواں ادھیائے

حق افروز تھا کس قدر یہ سخن
کہ افشا ہوا جس سے رازِ کہن

مرا اس سے اندوہ جاتا رہا
کرم سے ترے موہ جاتا رہا

سنا عظمت غیر فانی کا حال
کہ جس کے ہیں دو رخ جمال اور جلال

یہ پیدائش و موت و کون و فساد
رہیگی مجھے اس کی تفصیل یاد

○

وجودوں میں افضل جہانوں کے رب
ترا روپ دیکھوں یہ خواہش ہے اب

نگاہیں اگر لاسکیں اس کی تاب
تمنا ہے دیکھوں رُخِ آفتاب

تری ذات دیکھوں ترے روپ سے
ہو اندازہ خورشید کا دھوپ سے

کہا کرشن نے اے طلبگار نور
دکھاؤنگا صورت کا تجھ کو ظہور

جہاں سینکڑوں اور ہزاروں میں رنگ
ہر اک رنگ کا کچھ نرالا ہے ڈھنگ

ہر اک طرح کے دیوتا اور ملک ہر اک نوع کے ساکنانِ فلک
رواں اور ساکن زمین اور زماں مرے اک بدن میں ہے سب کچھ نہاں
مظاہر وہ دیکھے گی تیری نظر نہ دیکھے کسی نے کبھی پیشتر
مگر تیری آنکھوں میں کب یہ مجال کہ دیکھیں وہ بے پردہ میرا جمال
ہوں کرتا تجھے آنکھ ایسی عطا کہ جس پر ہو روشن رُخِ کبریا

○

ہری نے جو ارض و سما کا ہے نور دکھایا اُسے ایشور کا ظہور
ہزاروں ہی آنکھیں ہزاروں ہی دہن عجب تن پہ زیور عجب پیرہن
تھے ہتھیار تن پر سجائے ہوئے بہت تیغ و خنجر اٹھائے ہوئے
اُبٹنے سے اس کا بدن مشکبو جدھر رُخ کو پھیرو اُدھر اس کا رُو
نہ حد اس کی کوئی نہ کچھ انتہا کرشمہ ہر اک اس کا حیرت فزا
جو چمکیں بیک وقت سو آفتاب وہ ہوں سامنے اسکے بے آب وتاب

○

یہ ارجن نے دیکھا کہ کل کائنات ہیں کثرت سے جس کے شؤن وصفات
ہے سب ایک جسم الٰہی میں غرق نہیں شرق اور غرب میں کوئی فرق

نظر ایسے جلوے پہ کیسے پڑے
بدن پر کھڑے ہو گئے رونگٹے

جھکایا وہیں فرقِ عجز و نیاز
کیا عرض پھر اے حقیقت طراز

عجب طرح کا دیکھتا ہوں نظام
ترے روپ میں دیوتا ہیں تمام

کچھ اس طرح ظاہر ہیں سارے وجود
نرالی ہے ہر اک کی طرز نمود

برہما کا ہے تخت نیلوفری
ہے سوشان سے جس پہ جلوہ گری

ہر اک طرح کے سانپ پُر نور ہیں
رشی بھی ترے تن میں مستور ہیں

سینے بہت سے منہ اور آنکھیں کئی
عیاں صورتیں ہیں نئی سے نئی

ہر اک سمت پھیلا ہوا اک وجود
نہ اس میں تعین نہ اس میں حدود

نہ آغاز و وسط اور نہ انجام ہے
نہ ماخذ کا اس کے کوئی نام ہے

بہر سو جلالِ الٰہی کا راج
دمکتے ہوئے ہر طرف تخت و تاج

وہ آتش کی صورت دہکتے ہوئے
وہ خورشید بن کر چمکتے ہوئے

فضائے فلک ہر طرف نور نور
وہ پہنائے گردوں میں تیرا ظہور

خیال و قیاس و تصور سے دور
نہ جس کو فنا اور نہ جس میں فتور

کرم کا ہے مخزن یہ ذاتِ کریم
اسی سے ہے قائم یہ دینِ قدیم

ہے تو سرمدی جو ہر آدمی
نہ جس میں تغیر نہ کوئی کمی

تری ابتدا ہے نہ کچھ انتہا
نہ مرکز کا تیرے ہے کوئی پتا

نہ کوئی رکاوٹ نہ ہے کوئی سد
تری قوتوں کی نہیں کوئی حد

ترے بازوؤں کا نہیں کچھ شمار
سپردان کے ہے دہر کا کاروبار

تری آتشِ رُخ ہے کیا جلوہ گر
ہیں آنکھیں تری آفتاب اور قمر

دہکتی ہے دنیا اسی آگ میں
جل اٹھتی ہے دیپک کے اس راگ میں

○

ہیں پُر تجھ سے ارض وسماوات سب
ہیں لبریز تجھ سے مقامات سب

ترے دبدبے سے یہ تینوں طبق
لرزتے ہیں جیسے ہوا سے ورق

چلے آتے ہیں دیوتا فوج فوج
ابھرتی ہے جس طرح دریا سے موج

ترے رعب وہیبت سے خستہ ہیں وہ
دعا کے لئے دست بستہ ہیں وہ

کہیں صف بہ صف ہیں کھڑے مہرشی
کہیں پر ہے سدّھوں کی کچھ بھیڑ سی

ہیں گاتے تری کبریائی کے گیت
تری پریت ہی گویا انکی ہے ریت

○

تری عظمتوں کے وہ سامان ہیں
کہ سب دم بخود اور حیران ہیں

عجب تیری ہیبت کی صورت ہے یہ
لرزتا ہے دل ایسی مورت ہے یہ

یہ ان گنت بازو طویل اور قوی
کئی تیرے منہ اور آنکھیں کئی

کئی دانت تیرے کئی اک دہن
کئی لاکھ آنکھیں ہیں شعلہ فگن

مرا خوف سے منہ کو آتا ہے دل
یہ سب دیکھ کر تھرتھراتا ہے دل

ہیں چہروں پہ جتنے دہن باز ہیں
عجب خوفناک ان کے انداز ہیں

زمیں سے ترا نُور ہے تا فلک
کئی رنگ ہیں اس میں جیسے دھنک

نکلتے ہیں آنکھوں سے تیری شرر
جنہیں دیکھ کر مجھ کو لگتا ہے ڈر

اجل کے ہیں گویا یہ دندان تیز
کہ جن کی پکڑ سے نہیں کچھ گریز

کوئی ان سے بچ کر کے جائے کہاں
پناہِ خدا الاماں، الاماں

○

دھرت راشٹر کے جو فرزند ہیں
جو اب راج کے آرزو مند ہیں

اسی طرح بھیشم، درون اور کرن
کئی ساتھ ان کے شہانِ زمن

ہمارے بہادر کئی جنگ جُو
انہیں سربسر کھائے جاتا ہے تُو

ڈھکیلے لئے جارہی ہے اجل
ترے منہ میں جاتے ہیں سب سر کے بل

کئی ایک بدبخت بھٹکے ہوئے
ہیں دانتوں میں سر انکے اٹکے ہوئے

ہوں جس طرح سیلاب میں ندیاں
سمندر کی جانب رواں اور دواں

بڑے سورما اور بڑے حکمراں
جنہیں دیکھ کر کانپتا تھا جہاں

ترے منہ میں یہ سب گریزاں گئے
اسی طرح اُفتاں و خیزاں گئے

○

پتنگے گریں شمع پر جس طرح
ترے منہ میں گرتے ہیں یہ اسطرح

انہیں کھا کے ہے تو زباں چاٹتا
اسی طرح سارا جہاں چاٹتا

یہ ہیبت کی آگ اور نارِ جلال
جہاں جل اٹھا اس سے اے لایزال

○

یہ طوفان و سیلاب ہستی ہے کیوں
یہ موت اس طرح سے برستی ہے کیوں

بغیر اس کو جانے نہ آئیگا چین
ہے کیا اصل میں تیری ذات اور عین

ہے کس ذات کا یہ جلالی ظہور
حقیقت میں کیا ہیں یہ نار اور نور

○

کہا کرشن نے غور سے بات سن
حقیقت نما ہے یہ میرا سخن

زمانہ ہوں میں اور اجل کی ہوں لہر
پیامِ فنا ہے میرا غیض و قہر

ہوں مخلوق کی اور جہانونکی موت
زمینوں کی موت آسمانونکی موت

ہیں جنگ آزما جو کھڑے صف بہ صف
یہ سارے ہیں تیر قضا کے ہدف

یہ سب فوج برباد ہے موت سے
فقط تو ہی آزاد ہے موت سے

بس اب اٹھ کے ہو فتح سے نیکنام
کہ ہے کام دشمن کا تجھ سے تمام

ہے تیرے لئے کشور و تخت و تاج
یہ دولت یہ عزت یہ بھارت کا راج

مرے ہاتھ سے سب ہیں مر ہی چکے
وہ ہیں زندگی سے گذر ہی چکے

ہے تیرے لئے بس یہی حکمِ رب
ہو قتلِ عدو کا مجازی سبب

درون اور بھیشم، کرن، جیدرتھ
ہوئی چُور چُور انکے جیون کی رتھ

چلا تیر اب اور نکال اپنی تیغ
صفایا حریفوں کا کر بے دریغ

سنا جب یہ ارجن نے پیغام جنگ
نفس ہوگیا اُسکے سینے میں تنگ

زباں فرطِ دہشت سے چلتی نہ تھی
کوئی بات منہ سے نکلتی نہ تھی

جھکی گردن اور ہاتھ تھے کانپتے
مگر عرض کی ہانپتے ہانپتے

ہے سارا جہاں محوِ حمد و سپاس
دلِ راکشس میں ہے خوف و ہراس

ہیں سدھوں کے دنیا میں جتنے گرد
جھکے ہیں وہ سب دیکھ کر یہ شکوہ

یہ سب تیری ہیبت سے مغلوب ہیں
تری شان وشوکت سے مرعوب ہیں

تو عِلّت ہے، معلول سب بود و ہست
برہم دیو بھی تجھ سے رہتے ہیں پست

نہیں حد تری تو ہے برتر اللہ　　تو ہے سب جہانونکی جائے پناہ

تجھی سے ہے سارا وجود اور عدم　　تجھی سے ہے قائم حدوث اور قدم

نہیں جس کو ہرگز فنا ہے وہ ذات　　سب اضداد سے ماورئی ہے وہ ذات

ہے دیوتاؤں میں اوّلین اور عظیم　　ہے انسان کا تو ہی نفسِ قدیم

سبھی ہستیوں کا ہے تجھ میں مقام　　سہارا ہے تو زندگی کا مدام

تو ہے ظرف بھی اور مظروف بھی　　تو عارف بھی ہے اور معروف بھی

ہے دنیا میں تو ایسا بامِ بلند　　جہاں پر کسی کی نہ پہنچے کمند

ترا روپ دنیا کی بنیاد ہے　　جہاں تیری وسعت میں آباد ہے

تمہیں آگ ہو اور تمہیں ہو ہوا　　ہو پرجا پتی اور پتا کے پتا

شبِ تار میں تم ہو ماہِ فلک　　تمہیں دہر میں موت کے ہو ملک

نمسکار ہو تم کو ہر صبح و شام　　سلام اور سلام اور سلام اور سلام

○

تو ہے نفسِ کل مصدرِ ہست و بود　　تجھے ہر طرف سے رکوع و سجود

سب اہلِ جہاں کا سہارا ہے تو　　حقیقت یہ ہے دہر سارا ہے تو

ہے بیحد و پایاں ترا اقتدار　　تری طاقتوں کا نہیں کچھ شمار

میں گستاخ تھا بھول یا پیار سے کوئی یار جیسے کسی یار سے

بہت کچھ ہے واہی تباہی بکا ہے بیہودہ سب یا الٰہی بکا

کبھی کھیل میں تجھ سے کی کچھ ہنسی کبھی میںنے باتوں میں کی دل لگی

بہت بے محل تھیں مری شوخیاں ادب سے تھا باہر یہ طرز بیاں

بہت منہ سے نکلی ہے لاف و گزاف خطا مجھ سے نادان کی ہو معاف

جہانوںکے مولا جہانوں کے باپ نہیں تیری قوت کا تول اور ناپ

گرو کے گرو اہل تعظیم کے ہیں محتاج سب تیری تعلیم کے

کسی کو نہیں دعوئٰ ہمسری تو ممکن ہو کیا تجھ سے پھر برتری

مجھے بخش دے گر کہا کچھ فضول مرا سجدۂ عجز کرلے قبول

اگر مہرباں ہے پسر پر پدر خطاؤں سے کرتا ہے وہ درگزر

جہاں دودلوں میں ہے الفت کا نور وہاں دھوئے جاتے ہیں سارے قصور

○

کھلا ایسا جلوہ مری آنکھ پر نہ آیا تھا ابتک کسی کو نظر

خوشی سے مرا قلب لبریز ہے مگر یہ خوشی خوف آمیز ہے

بقائے جہان و خدائے زمن تری ذات سارے جہاں کا وطن

کرم کر مرے حال پر ذوالجلال دکھا مجھکو پہلا سا نور جمال
وہ شکل حسین دلربا جانفزا وہی ہو مکٹ اور وہی ہو عصا
یہ دیکھا کہ ہیں تیری باہیں ہزار دکھا پھر وہ تن جسمیں بازو ہیں چار

○

سنا اس نے ارجن کا جب یہ خطاب دیا اس کو بھگوان نے یہ جواب
دکھایا ہے تجھکو وہ مظہر عجیب ہوا جو کسی کو نہ ابتک نصیب
ہمہ گیر، پُرنور، بے انتہا ہر اک چیز کی جس سے ہے ابتدا
سن اے افضل و اشرفِ کوروان ہوئی تجھ پہ جو میری صورت عیاں
نہ وید اور یگ اور نہ جپ سے ملے نہ منتر سے حاصل نہ تپ سے ملے
نہ علم و عمل نہ عبادات سے نہ زہد و ریاضت نہ خیرات سے
مگر خوف کھانے کی کیا بات ہے یہاں تھرتھرانے کی کیا بات ہے
مری شکل دکھتی تھی جو رات دن وہی دیکھ پھر دل کو کر مطمئن

○

دکھایا اسے اپنا پہلا جمال دیا خوف کو اسکے دل سے نکال
جب ارجن نے دیکھی وہ صورت حسیں دل افروز چہرہ کشادہ جبیں

قرار آیا اور من ٹھکانے لگا وہ پہلی سی تسکین پانے لگا

○

جو حاصل ہوا تجھ کو دیدار ہے حصول ایسی دولت کا دشوار ہے

یہانتک ہیں سب بندرستے رہے ہیں دیوتا بھی دائم ترستے رہے

مجھے تونے دیکھا ہے جس شان سے نہ ویدوں سے پائے نہ پُن دان سے

ہے بھگتی مری وہ رہِ مستقیم عیاں جس سے ہوتا ہے نورِ قدیم

مرے عشق میں جو کہ کامل ہوئے وہی ذات میں میری شامل ہوئے

فقط وہ ہیں دانا و بینائے ذات ہے بس عشق پر میرے جن کی برات

○

جب ماسوا سے نظر موڑ لے تعلق کی زنجیر کو توڑ دے

جسے ہے برابر، ہو اپنا کہ غیر نہیں ہے کسی ایک ہستی سے بیر

یہ بے کینہ باطن یہ آزاد دل بھگت ہے مرا مجھ میں جائیگا مل

بارہواں ادھیائے

سوال:

کچھ ایسے ہیں جن کی ہے یہ زندگی
کہ ہر حال میں ہے تری بندگی

ادھر نیک مشرب ہے اک اور فریق
عبادت میں جس کا الگ ہے طریق

جسے ہے برہما کی پوجا پسند
حدوث اور مظاہر سے جو ہے بلند

بتاؤ کہ کون انمیں افضل ہیں لوگ
کہ جن کا بلند اور برتر ہے یوگ

جواب:

وہ جن کا مری سمت ہی دھیان ہے
مجھی پر یقیں اور ایمان ہے

انہیں کا ہے سب سے طریقہ درست
وہی یوگ میں ہیں قوی اور چُست

○

مگر جن کا معبود ہے وہ وجود
نہ جس کا ظہور اور نہ جس کی نمود

جو ہے ہر طرح کے بیاں سے پرے
قیاس و خیال و گماں سے پرے

تغیرّ، تحوّل، تبدّل سے دور
ہر اک چیز سے ہر جُزو کُل سے دور

نہ ہو علم سے ایسی معلوم ذات
ہیں سب جس سے قائم وہ قیوم ذات

جنہیں ماورئی ذات سے ربط ہے
حواسِ بدن میں بڑا ضبط ہے

ہر اک چیز پر ہے مساوی نظر
بلندی و پستی پہ حاوی نظر

ہو بہبود عالم کا جن کو خیال
ہے ایسوں کو بھی میرا حاصل وصال

○

مگر ذات مطلق ہے ''ھو'' کا وطن
ہے اہل بدن کو یہ رستہ کٹھن

○

جو ہیں دھیان مجھ پر جمائے ہوئے
فقط مجھ سے ہیں لو لگائے ہوئے

نذر ہیں مری جنکے سارے عمل
نہیں یوگ میں ان کے کوئی خلل

وہ میری مدد سے ہیں شر سے بچے
ہیں موت اور جنم کے بھنور سے بچے

○

اگر مجھ میں ہے محو عقل اور من
رہیگی مری ذات تیرا وطن

توجہ نہیں گر تری استوار
نہیں دل میں تیرے قیام و قرار

تو لے کام زہد اور ریاضات سے
کہ مقصد ہو حاصل اسی بات سے

ریاضات میں بھی اگر خام ہو
تو بس میری خدمت ترا کام ہو

کرے سب اگر کام میرے لئے
تو مکتی یقینی ہے تیرے لئے

جو خدمت کی بھی تجھ میں طاقت نہو
کسی کام کرنے کی ہمت نہو

تو ترکِ تمنائے اجر و ثواب
ہے تیرے لئے اک سعادت کا باب

پنہ مجھ میں لے اور سب چھوڑ دے
تعلق کی زنجیر کو توڑ دے

ریاضت سے خوب تر ہے گیان
مگر گیان سے اوپر ہے دھیان

ہے ترکِ جزا دھیان سے خوب تر
کہ ہے شانتی ترک ہی کا ثمر

جو رکھتا نہیں ہے کسی سے بھی بیر
پریمی ہے سب کا ہو اپنا کہ غیر

طبیعت ہے رحم و کرم سے بھری
خودی اور تعلق سے جو ہے بری

توازن کا ہے جس کی فطرت میں راج — کہ دکھ اور سکھ میں ہے قائم مزاج

جو ثابت ہے راسخ ہے اور مطمئن — ہے من جس کا مجھ میں لگا رات دن

وہ پاتا ہے مجھ سے سہارا بہت — بھگت ایسا مجھکو ہے پیارا بہت

○

نہ وہ اہلِ عالم سے بیزار ہے — نہ دنیا کو کچھ اس سے آزار ہے

ہے طوفانِ جذبات سے بے اثر — نہ رنج اور مسرت نہ غصہ نہ ڈر

نہ جسکو کرے مضطرب کوئی چیز — بھگت ایسا مجھکو بہت ہے عزیز

○

پھسلتا نہیں جو کسی بات میں — نہ ہے مضطرب اپنی حاجات میں

جسے اپنی کوئی غرض ہی نہیں — جسے خواہشوں کا مرض ہی نہیں

جو بے لوث ہے اور ہشیار ہے — بس ایسے بھگت سے مجھے پیار ہے

○

نہ اشیا سے رکھتا ہے رغبت کبھی — نہ اسکو کسی سے ہے نفرت کبھی

تمنا و غم سے نہیں پیچ و تاب — نہ کچھ اس کو فکرِ عذاب و ثواب

سراسر علائق سے آزاد ہے — وہ میری حقیقت میں آباد ہے

کوئی دوست اس کا ہو یا ہو عدو بدلتا نہیں وہ طبیعت کی خو

جسے ہے برابر ہو لذّت کہ درد برابر زمانہ کا ہے گرم و سرد

نہ ہے شوق نام اور نہ پروائے ننگ ہراک رنگ میں جس کا ہے ایک ڈھنگ

کسی آرزو میں نہ لٹکائے دل تمنا میں ہرگز نہ اٹکائے دل

قناعت گزیں، کم سخن، مستقل سدا اپنی حالت پہ قائم ہو دل

کوئی اس کا اپنا ٹھکانا نہ ہو کوئی در نہ ہو آستانہ نہ ہو

نہ اس پر اثر کر سکے مدح و ذم نہ ہو من کے اندر غمِ بیش وکم

برابر ہے جس کیلئے ہار جیت ہے ایسے بھگت کیلئے میری پریت

جو پیتے ہیں اس دیں کا آب حیات ہے ان کے یقیں اور عمل میں ثبات

بنا جس کا معبود و مطلوب میں اسے دل سے رکھتا ہوں محبوب میں

تیرہواں ادھیائے

سوال:

پُرش کیا ہے پر کرتی ہے کیسی چیز
کریں روح و فطرت میں کیسے تمیز

ہے کیا عقل و معقول میں امتیاز
ذرا کھول معلوم و عالِم کا راز

○

جواب:

بدن اور پُرش کا یہ مفہوم ہے
کہ انمیں یہ عالم وہ معلوم ہے

میں عالم ہوں معروض و معلوم کا
میں عارف ہوں ہر ایک مفہوم کا

یہ معلوم و عالم کا فرقِ صفت
اسی کے سمجھنے میں ہے معرفت

یہ معروض اور اسکی حقیقت ہے کیا
جو معلوم ہے اسکی فطرت ہے کیا

ہیں عالم کے کیا کیا قواء و صفات
ذرا غور سے سن کہ گہری ہے بات

بہت اسمیں رشیوں کے اقوال ہیں
جو عارف ہیں اور صاحبِ حال ہیں
برہم سوتروں میں ہے آب حیات
بہت ان میں آیات ہیں بینات
مصفّا بیان اور روشن دلیل
نہیں جس میں گنجائش قال و قیل

جس مشترک اور عشرہ حواس
ہے ساتھ انکے شامل خودی کی اساس
ہے گر پانچ اعضائے حِس کا شمار
تو ایسے ہی ہیں پانچ آلاتِ کار
یہ نفس اور محسوس و مطلوب سب
ہیں معروضِ ہستی میں محسوب سب
اسی میں عناصر کا بھی ہے حساب
یہ خاک اور آتش، ہوا اور آب
ہے پرکرتی درد اور لذّت کا گھر
یہی ہے تمنّا و نفرت کا گھر
یہ ترکیب و تخریب کا سب عمل
ہے معروض اور اس کا ردّ و بدل

بتاؤں تجھے اب ہے کیا اصل علم
یہ ہے سادگی بے ریا اور حلم
اگر معرفت سے سروکار ہے
تو دل بے ضرر کس میازار ہے
ہے گر دل پہ قابو قدم میں ثبات
ہے بڑھ کر یہی سب سے حکمت کی بات

نہ ہو شادو ناشاد محسوس سے
طبیعت ہو آزاد محسوس سے

خودی کا کہیں پر نشاں تک نہو
من و تو کا اصلا گماں تک نہو

○

مرض اور بڑھاپے کا دھندا ہے کیا
یہ جینے کا مرنے کا پھندا ہے کیا

حوادث پسندیدہ و ناپسند
گذرتے رہیں، دل ہو سب سے بلند

کبھی ہو نہ دامِ علائق میں قید
نہ فرزند و زن کے تعلق کا صید

جو اس راز سے آشنا ہو گیا
وہ عارف سراپا بقا ہو گیا

○

مری ذات پر جی جمائے ہوئے
نظر ماسوا سے ہٹائے ہوئے

ہے یکسو سدا عارفِ ہوشمند
ہے جلوت گریز اور خلوت پسند

فقط حکمتِ ذات ہے معرفت
یہ حکمت ہے باقی جہالت ہے سب

○

بتاتا ہوں اب تجھکو وہ علم ذات
کہ ہے جاننا جس کا آب حیات

مرورِ زمانہ سے ہے ماوراء
کہیں ابتدا ہے نہ کچھ انتہا

وہ ہے ہر وجود و عدم سے پرے
زمان و مکاں بیش و کم سے پرے

بہر سمت گوش و بہر سو نظر سراپا سماع و سراپا بصر

ہے لبریز اس سے جہاں کی فضا ہر اک سمت میں اسکے ہیں دست و پا

سہارا لئے اس پہ ہے سارا جگ مگر ذات ہے اس کی سب سے الگ

وہ بے گوش لیتا ہے آواز سن وہ نرگن ہے لیکن ہیں سب اسمیں گن

نہیں کوئی اعضائے حس اسکے پاس وہ حساس ہے گو نہیں ہیں حواس

وہ ظاہر بھی ہے اور باطن بھی ہے وہ چلتا بھی ہے اور ساکن بھی ہے

حقیقت میں ہے اسقدر وہ لطیف کہ اِدراک اس کا نہیں ہے حریف

تضاد اسمیں یہ کسقدر ہے عجیب بہت دور ہے اور بہت ہی قریب

ہے گو ذرّے ذرّے میں اس کا مقام نہیں اسکی وحدت میں کچھ انقسام

اسی سے ہے ہستی کا سب ساز و برگ ہے پیدائش اس سے اسی سے ہے مرگ

وہ ہے تیج کا تیج نوروں کا نور ہر اک طرح کی ظلمتوں سے ہے دور

وہ حکمت ہے مقصودِ حکمت بھی ہے وہی معرفت اور طریقت بھی ہے

دلوں میں ہے سب کے وہ گوشہ گزیں ہیں ہمرنگ گویا مکاں اور مکیں

○

حقیقت میں ہے علم و معلوم کیا ہے معروض سے اصلِ مفہوم کیا

بیاں گرچہ یہ مختصر ہے بہت
جو سمجھے تو واصل ہے میر ابھگت

○

ازل سے ہے پرَکرتی اور پُرش بھی
کہ ان کی نہیں آفرینش ہوی

یہ پرَ کرتی ہے معرضِ حادثات
مقامِ تغیر محلِ صفات

اسی سے ہے علت بھی معلول بھی
اسی سے ہے فاعل بھی مفعول بھی

مگر جب ہو خط والم کا بیان
تو سمجھو کہ یاں پُرش ہے درمیان

جو پُر کرتی میں پُرش داخل ہوا
گنوں کا مزا اس کو حاصل ہوا

یہ ساری ولادت بھلی اور بری
گنوں میں لپٹ کر ہی ظاہر ہوئی

○

یہ سب کاروبار اور گنوں سے یہ میل
ہے سب پرش ہی کی اجازت کا کھیل

وہ قیوم ہے اور ناظر بھی ہے
حظ اندوزِ شانِ مظاہر بھی ہے

بدن میں ہے جو اس طرح سے جما
وہی پرش ہے اور پرماتما

○

ہیں پرَکرتی و پُرش کے کیا صفات
یہی علم ہے بس کلید نجات

جسے ایسا عرفان حاصل ہوا
وہ عارف سمجھ لو کہ کامل ہوا

کسی حال میں ہو وہ دل شاد ہے ‏ وہ دورِ تناسخ سے آزاد ہے

○

ہیں ناظر کئی روح کی آنکھ سے ‏ کرم یوگ سے یا رہِ سانکھ سے

کچھ ایسے ہیں جن میں نہیں گیان کچھ ‏ نہ عرفان انمیں نہ ہے دھیان کچھ

سنے اور سنائے پہ ایمان ہے ‏ مقابل میں عارف کے نادان ہے

گر ایمان سے ہے عبادت گذار ‏ سمجھ لو کہ اس کا بھی بیڑا ہے پار

سکوں میں ہے یا کوئی حرکت میں ہے ‏ غرض چیز جو کوئی خلقت میں ہے

جہاں میں ہر اک آفرینش کی اصل ‏ ہے عالم کا معلوم کے ساتھ وصل

رسا ہے حقیقت میں جس کی نگاہ ‏ وہ دیکھے گا ہر شئے میں ذاتِ الٰہ

فنا اور تغیر میں قائم ہے وہ ‏ وہی ایک باقی ہے دائم ہے وہ

○
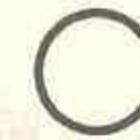
کسی فرد میں ہو اگر یہ شعور ‏ کہ ہے ذات واحد کا سب میں ظہور

چلے گا نہ ہرگز کبھی ایسی راہ ‏ کہ ہو نفسِ ادنیٰ سے اعلیٰ تباہ

ہدایت کی ہے وہ رہِ مستقیم ‏ ہے جس میں تجلّی نُورِ قدیم

جو سمجھے کہ اس میں نہیں ہے کچھ کلام
کہ پَر کرتی کرتی ہے دنیا کے کام

اَنا کو جو جانے عمل سے بری
نظر اسی کی ہے ہر خلل سے بری

جو دیکھے کہ ہے ایک ذاتِ بسیط
جو ہے ساری کثرت پہ ہر جا محیط

ہے اک بیج سے سارا نخلِ حیات
یہ سب پھول پھل ٹہنیاں اور پات

جو واقف ہو وحدت کے اس بھید سے
وہ واصل ہوا ذات جاوید سے

نہ آغاز اس کا نہ ہیں اسکے گُن
بدن میں بھی آکر نہیں کارکن

نہ اس میں تغیر نہ اِس میں اثر
نہ اس کو فنا اور نہ اس کو ضرر

ہے آکاش دنیا میں جیسے لطیف
نہ ہو وہ ملوث نہ ہو وہ کثیف

بدن میں اسی طرح ہے آتما
مُبرّا ، منزّہ ہے جس کی صفا

چمکتا ہے اک مہر نزدیک و دور
اُسی کا ہے نور اور اُسی کا ظہور

انائے حقیقی کی ہے سب ضیا
جو ہے سارے عالم میں ظلمت ربا

اگر معرفت سے یہ پا جائے راز
ہے معلوم و عالم میں کیا امتیاز

عمل میں نہیں روح کا اختیار
یہ پَرکرتی، کرتی ہے سب کاروبار

حقیقت کی حد تک پہنچ جائیگا
وہ ذاتِ احد تک پہنچ جائیگا

چودہواں ادھیائے

میں حکمت کے موتی ہوں پھر تولتا
ہوں تجھ پر در معرفت کھولتا

مُنی جس سے بنتے ہیں مردانِ حال
اِسی رہ سے پاتے ہیں اوجِ کمال

جو یوں پا گئے معرفت کے اصول
مری ذات میں کر گئے وہ حلول

نہ تخریبِ عالم میں ہوں وہ فنا
نہ تکوینِ عالم سے پائیں بقا

یہ پرکرتی ہے فاعل و لازوال
سمجھ لے کہ اک رحم کی ہے مثال

جب اِس رحم میں تخم میرا پڑے
تو پیدا ہوں سب اس سے چھوٹے بڑے

کسی رحم سے جو ہویدا ہوا
اسی ایک شکتی سے پیدا ہوا

وہ ہے رحم اور تخم میں آپ ہوں
اسے ماں سمجھ اور میں باپ ہوں

○

ستوگن ، رجوگن، تموگن کی قید
بناتی ہے یہ روح انسان کو صید

ہیں روحی روابط گیان اور سُرور
صفائے ستوگن ہے تسکین و نور

رجوگن ہے حرص و تمنا کا دام
ہیں زنجیر دل آرزو ہائے خام

یہ تخلیق مقصد، یہ ذوقِ حصول
عمل کی یہ بندھن ہے ساری فضول

○

تموگن سے پیدا ہے سب کاہلی
یہ غفلت شعاری ہے اور جاہلی

ستوگن میں آنند ہی کا ہے راج
رجوگن کا مقصود ہے کام کاج

تموگن ہے گویا سراپا جمود
ہے جہل اور تغافل سے اس کا وجود

جو جمعیت دل کا طالب ہوا
جمود اور حرکت پہ غالب ہوا

کہیں جذب و حرکت کو حاصل ہے فوق
نہیں ہے سکون اور توازن کا ذوق

کہیں ہے تغافل سے پیدا خلل
نہ ذوقِ سکوں اور نہ شوقِ عمل

○

ستوگن کا ہو روح میں جب وفور
تو نکلے بدن کے دریچوں سے نور

جب آئے رجوگن کے ہاتھوں میں باگ
تو جذبات کی پھر بھڑکتی ہے آگ

کبھی آنکھ خواہش سے بیخواب ہے
کبھی دل تمنا سے بیتاب ہے

تموگن کا ہے روح پر یہ اثر
اندھیرا، تغافل، فریبِ نظر

سکوں گر ہے غالب دمِ واپسیں
تو ہے منزلِ روحِ خلدِ بریں

جو جذبات غالب رہے مرتے دم
تو اہل عمل میں وہ لے گا جنم

جو جہل اور غفلت میں پائے وفات
تو طاری ہوں پھر بے حسی کے صفات

○

ثمر کارِ نیکو کا شیریں و پاک
ہے پھل جوش و جذبہ کا اندوہناک

جو طاری طبیعت پہ ہے کاہلی
تو اس کا نتیجہ ہے بس جاہلی

ستوگن ہے وابستہ عرفان سے
مگر حرص پیدا ہے ہیجان سے

تغافل ہے وجہ فریبِ نظر
جہالت ہے اس کا اثر اور ثمر

ستوگن کا گرمن میں انداز ہے
بہت دور تک اسکی پرواز ہے

مگر کاہلی میں جو رسوا ہوا
وہ تحت الثریٰ تک لڑھکتا گیا

جو غافل رہے گا برے حال میں
یقیناً گرے گا وہ پاتال میں

نہیں کوئی عالم سوائے صفات
کہ ہے ذات سب ماورائے صفات

وہ واقف ہوا اس سے کامل ہوا
وہ دانائے حق مجھ میں داخل ہوا

کرے گر سہ گُونہ گنوں سے عبور　　ہے جن کا بدن اور جہانمیں ظہور
ولادت نہ موت اور نہ پیری ہے پھر　　نہ رنج اور غم کی اسیری ہے پھر
سمجھ لو پیا اس نے امرت کا جام　　ہوئی اسکو حاصل بقائے دوام

سوال:

سمجھ جائے جو یہ حقیقت اٹل　　بھنور سے گنوں کے جو جائے نکل
ہیں ایسے ولی کے علامات کیا　　پھر اس کے ہیں اعمال و عادات کیا

جواب:

نہ ہے وہ بہت آرزو مندِ نور　　نہ جذبات و ذوقِ عمل سے نفور
ہے حالت میں اپنی بہت استوار　　جسے کوئی حالت نہیں ناگوار
جو موجود ہو کچھ شکایت نہیں　　نہ موجود ہو گر تو رغبت نہیں
جو بیٹھا ہے ہموار اور بے طرف　　دل اس کا گنوں کا نہیں ہے ہدف
جو ساکن ہے قائم ہے اور باثبات　　عمل کو سمجھتا ہے کارِ صفات
ہے اس درجہ یکرنگ اس کی نظر　　برابر ہیں اس کے لئے سنگ و زر

سمجھتا ہے یکساں وہ خط و الم برابر ہیں اس کیلئے مدح و ذم

بھلی ہے یہاں یا بری کوئی چیز نہیں انمیں کرتا وہ ہر گز تمیز

نہ ہے دوست دشمن میں کچھ امتیاز ہے تعظیم و تذلیل سے بے نیاز

نہ ہوں جس سے منسوب کوئی امور گنوں سے وہی کر گیا عبور

جو بندہ ہے عابد مرا ٹھیک ٹھیک نہیں ماسوا کو جو کرتا شریک

وہ طے کر گیا ہے جہانِ صفات ملی ذاتِ جاوید سے اس کی ذات

میں ہوں چشمۂ صاف آبِ بقا نہ کچھ ابتدا ہے نہ کچھ انتہا

ہوں دینِ قدیم اور نورِ ازل مری ذات میں ہے سرورِ ازل

پندرہواں ادھیائے

یہ ہستی ہے کیا ہی انوکھا شجر
گڑی ہیں جڑیں جسکی بالائے سر

لٹکتی ہیں سب ٹہنیاں سرنگوں
بغیر مثال اس کو کیسے کہوں

جو پتے ہیں اسکے ہیں آیات وید
جو سمجھا یہ سمجھا وہ ویدوں کا بھید

ہر اک سمت شاخیں ہیں بڑھتی ہوئی
لٹکتی ہوئی اور چڑھتی ہوئی

صفات اس شجر کو ہیں آبحیات
اسے مایۂ زندگی ہیں صاف

شگوفے ہیں اس نخل کے سب حواس
گنوں ہی سے ہے جن میں روپ اور باس

عمل کے ہیں ریشے اِسی کی جڑیں
یہ ہیں وہ جڑیں جو کہ من میں گڑیں

نہیں اس کا انداز معلوم کچھ
نہ انجام و آغاز معلوم کچھ

اگرچہ جڑیں ہیں بہت اس کی سخت
کٹا تیغِ تجرید سے یہ درخت

طریقت میں گر راہ پائے کوئی
تو واپس یہاں پھر نہ آئے کوئی

ہے منزل مری وہ پُرش کا مقام
جہاں سے نکلتا ہے عالم تمام

علائق سے چھٹنے کے طالب ہیں جو
غرور اور دھوکے پہ غالب ہیں جو

جنہوں نے کیا آرزوؤں کو سرد
نہ ہے انمیں لذّت نہ ہے ان میں درد

جو رہتے ہیں اس طرح سے محوِ ذات
اُنہیں کو ملی ہے یہ راہ نجات

جہاں ہے نہ سورج نہ چاند اور نہ آگ
وہاں سے نہ موڑے کوئی اپنی باگ

وہیں پر ہے میرا مقامِ بلند
مکاں ہے یہ میرے بھگت کو پسند

یہ جانیں تمہارے یہ نفس
ہیں روحِ ازل کے سرارے یہ نفس

انہوں نے جو اوڑھے ہیں پانچوں حواس
یہ ہے جان کا عارضی سا لباس

پھر اس پر چڑھایا ہے من کا غلاف
ہو سورج پہ بادل کا جیسے لحاف

اگر روح تن کو کرے اختیار
تو حس ہی سے کرتی ہے سب کاروبار

لطافت پہ جاں کی حواس اور تن
ہے دوشِ صبا پر شمیمِ چمن

زباں آنکھ من جلد ناک اور کان
اُنہیں راہِ لذت سمجھتی ہے جان

ہے محسوس اشیاء سے لذّت پذیر
کہ زندانِ لذّت میں ہے جاں اسیر

نہیں دیکھتے جاں کو مردانِ خام
نہ وقتِ وداع اور نہ وقت قیام

گھری ہے گنُوں میں جو جانِ بسیط
صفات اُس پہ ہیں ہر طرف سے محیط

اگر کھل گیا دیدۂ حق شناس
تو ناپید ہے پھر فریبِ حواس

جو سالک کوئی معرفت کوش ہے
اسے جان کی پہچان اور ہوش ہے

ملے گا نہ جاہل کو کچھ زور سے
وہ دیکھے گا کیا دیدۂ کور سے

مہ و مہر کا ہر طرف نور ہے
جہاں سب تجلّی سے معمور ہے

جہاں پر بھی جلتی جہاںمیں ہے نار
مری آتش رُخ سے ہے شعلہ بار

زمیں میں ہوں میں چشمۂ زندگی
مجھی سے ہے جانوں میں تابندگی

مرا سوم رس ہے نباتات میں
مری تازگی پھول اور پات میں

نفس کا جہاں آنا جانا رہا
وہیں پر ہے میرا ٹھکانا رہا

میں ہوں قوتِ روح ہر جان میں حرارت ہوں حیوان و انسان میں
مجھی سے ہے نشوونما کا نظام غذا ہضم کرنا ہے میرا ہی کام

ہر اک دل کے اندر ہے میرا مقام میں ہو عقل، یاد اور نسیان تام
میں ہوں چاروں ویدوں کا علم اور بھید مجھی سے ہیں ویدانت اور علم وید

پُرش دو طرح کے ہیں اے مردِ نیک ہے اک ان میں فانی تو باقی ہے ایک
ہے مخلوق دریائے فانی کی لہر ہر اک آنی جانی ہے پانی کی لہر
نہیں جس میں تبدیل باقی ہے وہ کہ امرت ہے وہ اور ساقی ہے وہ

ہے روحِ ازل قائم و استوار وہ ہے سب جہانوں کی پروردگار
منزّہ ہوں میں سب سے برتر ہوں میں کہ باقی و فانی سے اوپر ہوں میں
میں ویدوں میں بھی ہوں خدا اور رب ہے اہلِ جہاں میں یہ میرا لقب

جو پہچان لے حق تعالیٰ ہوں میں فنا اور بقا سب سے بالا ہوں میں

جو سمجھے مجھے پر ہے سب کا مدار وہ عارف ہے سچا عبادت گذار

تجھے جان کر پاکِ دل باصفا یہ سرّ خفی میں نے افشا کیا

جلا دل میں جب معرفت کا چراغ تو حاصل ہے پھر ہر طرح سے فراغ

سولہواں ادھیائے

طبیعت ہو بیخوف دل پاک ہو
صداقت کی راہوںمیں بیباک ہو

سدا نیک مسلک پہ قائم رہے
قدم راہ عرفاں پہ دائم رہے

ہو خیرات کا شوق اور ضبطِ نفس
دعا اور ریاضت سے ہو ربط نفس

صداقت، طلب کس میازار ہو
سدا شانتی کا طلب گار ہو

بہت طیش کُش اور طبیعت کا نرم
دل و جاں کا زیور حیا اور شرم

ہو سب جانداروں پہ رحم اور کرم
اصول و قواعد پہ ثابت قدم

نہ ہو آرزوؤں کا گرداب جاں
نہ حرص و ہوس سے ہو بیتاب جاں

○

اگر ہو جلال اور شجاعت ضرور
تو ساتھ اسکے نیکی ہے عفو قصور

غرور اور حسد سے بھی ہو سینہ پاک
ہو ہر زنگ سے دل کا آئینہ پاک

ہے ان خوبیوں کا وہ مالک بشر
جو خلق الٰہی سے ہے بہرہ ور

○

غضب اور شدّت، غرور اور ریا
اندھیرا جہالت کا چھایا ہوا

رذائل یہ ابلیس کا دین ہیں
یہ سارے صفات شیاطین ہیں

ہے زنجیر، جو شیطنت کی ہے بات
صفاتِ الٰہی ہیں راہِ نجات

سن ارجن نہیں فکر کی کوئی بات
ہیں فطرت میں تیری الٰہی صفات

○

ہیں مخلوق میں دو طرح کے وجود
ہے دو طرح کی ان کی بُود و نمود

کوئی ان میں بندے ہیں رحمان کے
کوئی ان میں ہیں داس شیطان کے

○

سنا تو نے کیا اصفیا کا ہے رنگ
طبیعت پہ ان کی خدا کا ہے رنگ

سن اب یہ جو شیطان کے ہیں مرید
کج اندیش کج خلق ہیں یہ پلید

نہ ہے کچھ اوامر نواہی کا علم
نہ راہِ نجات اور تباہی کا علم

نہیں انکو کچھ نیک و بد کی تمیز
نہ انکے لئے راستی کوئی چیز

کوئی ان کے اندر بھلائی نہیں
طبیعت میں ان کی صفائی نہیں

○

ہے خلقت کی بابت یہ ان کا بیاں
کہ ہے بے حقیقت یہ سارا جہاں

نہیں ہے جہاں میں خدا کا وجود
نہ ہے کوئی صدق و صفا کا وجود

نہ اس میں کوئی داد فریاد ہے
نہ کچھ اس کا مقصد نہ بنیاد ہے

یہ پیدا ہوا، اتفاقات سے
اندھیرے ارادوں سے شہوات سے

یہ کج فہم انسان بدحال ہیں
بہت زشت روانکے اعمال ہیں

بھلائی سے ہر دم گریزاں ہیں یہ
فساد اور تباہی کے خواہاں ہیں یہ

تمنا کے صید اور ہوس کے شکار
غرور اور تکبر ہے ان کا شعار

ہے نیت خراب انکی اور چال بد
خیالات فاسد ہیں، اعمال بد

○

نہیں ان کا کوئی اصولِ عمل
ہے مقصد گریز انکا طولِ امل

یہ دھن ہے کہ شہوت پوری کریں
انہیں میں جئیں اور انہیں میں مریں

○

یہ ہیں آرزوؤں کے پھندوں میں قید
شکارِ غضب اور شہوت کے صید

بہت جمع کرتے ہیں مال حرام
کہ پورے کریں اس سے ارماں تمام

ہے دل آج اک کامیابی سے شاد
بر آئے گی کل اور میری مراد

مرے ہاتھ میں آج ہے مال و زر
ملیں گے کچھ آئندہ لعل و گہر

دیا میں نے آج ایک دشمن کو مار
کرونگا میں اب دوسروں کا شکار

وہ لذّت وہ قدرت ہے اب روز و شب
ہے واجب کہ سمجھیں مجھے لوگ رب

میں ہوں اک امیر اور اِبن امیر
نہیں ملتی دنیا میں میری نظیر

کرونگا میں دان اور قربانیاں
ہیں دشواریاں مجھ کو آسانیاں

بچھایا ہے دل میں جہالت نے جال
ہراساں طبیعت، پریشاں خیال

تمنا کے پیچھے ہے آوارہ نفس
نہ مارا کبھی اس نے امّارہ نفس

جو اس طرح دھوکے میں گھر جائیگا
وہ قعرِ جہنم میں گر جائیگا

بہت اس میں نخوت بہت ہے غرور
وہ ہے نشۂ جاہ و دولت میں چُور

کتابِ الٰہی کے بالکل خلاف
ہے نذر و نیاز اس کی لاف و گزاف

خودی اور غضب ایسے بندے میں ہے
گلا اس کا شہوت کے پھندے میں ہے

وہ بدکیش ہے اور کج راہ ہے
حقیقت میں وہ میر ابد خواہ ہے

ہے اس کا بدن یا کوئی جسم غیر
میں سب میں ہوں اسکو مجھی سے ہے بیر

○

یہ بدکار، بیرحم، اہلِ عناد
ہے اندر فساد ان کے ہے باہر فساد

عدوئے خدا ہے یہ ظالم فریق
ہے اسکی سزا کا یہی اک طریق

کہ دنیا میں جس وقت واپس پھریں
تو رحمِ حرامی میں آکر گریں

یہ لیتے ہیں یوں ہی جنم پر جنم
نہ ان کی جہالت نہ ہو مکر کم

یہ بھولے سے میری طرف جو پھرے
جہنم کی گہرائیوں میں گرے

ہیں حرص وغصب اور شہوت خراب
یہ تینوں جہنم کے ہیں تین باب

اگر دل کبھی ان میں داخل نہ ہو
تو پیدا کبھی کوئی مشکل نہ ہو

گر ان سے بچا تو بھلائی ہوئی
کہ مقصد تک اسکی رسائی ہوئی

کتابِ الٰہی کو جو چھوڑ کر
ہدایت سے جاتا ہے منہ موڑ کر

جلاتا ہے سینے میں شہوت کی آگ
تمنّا کے ہاتھوں میں دیتا ہے باگ

نہ پائیگا ہرگز کمال اور سکھ
نہ دیکھے گا وہ کامیابی کا مکھ

ہیں کیا ٹھیک اور کیا ہیں بیہودہ کام
ہے کیا امر و نہی و حلال و حرام

فرائض میں لے شاستر سے سند ○ کہ معلوم ہو تجھ کو ہر نیک و بد

کرے گا عمل میں تری رہبری ○ ہے لازم کرے اسکی تو پیروی

سترہواں ادھیائے

سوال:

ہے اہلِ عقیدہ میں اک وہ فریق
ہے قربانیوں میں یہ جس کا طریق

کہ کرتے ہیں ایسی روش اختیار
الگ جس سے ہے شاستر کا شعار

یہ مومن کس انداز کس دھن میں ہیں
ستو، یارجو، یا تموگن میں ہیں؟

جواب:

اندھیرا ہے یا نور یا امنگ
ہیں ایماں کے اس طرح تین رنگ

ہے ایماں کا فطرت پہ دارومدار
طبیعت کے انداز پر انحصار

عقیدہ طبیعت کی تصویر ہے
طبیعت سے سیرت کی تعمیر ہے

ہے جسکی طبیعت میں نور و سرور
خداؤں کی پوجا کرے گا ضرور

رجوگن میں معبود عفریت ہیں تموگن میں سب بُھوت اور پریت ہیں

نہیں ان کا کچھ شاستر میں جواز ہے ایسی ریاضت فقط حرص و آز

خودی، کبر اور خودنمائی ہے یہ کہ جذبات ہی نے سمجھائی ہے یہ

بدن کے عناصر کا آزار ہے خدا ایسی محنت سے بیزار ہے

○

ہے تینوں کا مرغوب کھانا جدا مطابق ہے فطرت کے سب کی غذا

ریاضت ہو صدقہ ہو خیرات ہو ہے لازم کہ سب میں جدابات ہو

○

جو کھانا ہو جاں بخش و صحت فزا بدن میں اثر جس کا ہو دیرپا

طبیعت کو حاصل ہو جس سے نشاط جو پیدا کرے روح میں انبساط

ستوگن کا مالک یہی کھائے گا طبیعت کو اس کی یہی بھائے گا

○

ہے راجن کو ایسی غذا سے غرض کہ جس کا نتیجہ ہیں دکھ اور مرض

بہت کھٹّی، کھاری ہو اور تیز ہو مسالہ بھری حدّت انگیز ہو

ہے تامس کو منظور ایسی خوراک نہیں جو لذیذ اور نہ تازہ نہ پاک
ہو پس خوردہ کھانا گلا اور سڑا مزا اس کو اس میں ملے گا بڑا

ستوگن کا مالک کرے گا وہ یگ جو ہے پھل کی خواہش سے بالکل الگ
جو ہے شاستر میں اسے مان کر کریگا اسے فرض ہی جان کر

جو قربانیوں میں ہو مدِّ نظر ملے کرنے والے کو اس کا ثمر
نگاہوں میں اسکی دوبالا ہوشاں ہو اوروں سے کچھ اونچی اسکی دوکاں
طبیعت میں یہ بات ہے گر بسی تو اس یگیہ کو سمجھ راجسی

بھری ہیں فقط جن میں نادانیاں ہیں سب تامسی ایسی قربانیاں
بیاں شاستر میں ہے جو صاف صاف وہ چلتے ہیں بالکل ہی اسکے خلاف
نہ پڑھتے ہیں ان پر وہ کوئی دعا نہ خیرات میں دیں کسی کو غذا
نہیں ایسی نذروں میں ایمان ساتھ کہ جس میں پروہت کے خالی ہیں ہاتھ

برہمن، گرو، عارف اور دیوتا ہے ان پاک نفسوں کی پوجا روا
اہنسا، برہمچر یہ، پاکیزگی سراسر ریاضت ہے یہ جسم کی
جو تقریر سچی ہے اور پُر اثر نہ کچھ اس میں دھوکا نہ اس میں ضرر
پڑھے جو کوئی وید یا شاستر ریاضت ہے یہ من کی اے ذی شعور
یہ تینوں طرح کی ریاضت اگر کرے دل سے بے آرزوئے ثمر
تو سمجھو کہ ایسی ریاضت ہے پاک نہ کچھ اس میں نقصاں نہ کچھ اسمیں باک

○

ریاضت میں ہے گر تمنّائے خام کہ حاصل کرے عزّت و احترام
ریا اور نمائش کی یہ بات ہے ریاضت نہیں یہ خرافات ہے
یہ ہے کھوکھلی اور ناپائیدار ہے جذبات پر اس کا دارومدار

○

ہے اک وہ ریاضت جہالت ہے جو بدن کے لئے اک مصیبت ہے جو
بھرا ہے سراسر ارادے میں شر کہ پہنچائے اس سے کسی کو ضرر
ریاضت یہ ناپاک ہے تامسی یہ تاریکیوں سے ہے پیدا ہوئی

وہ خیرات جس میں نہ ہو کچھ غرض
نہ احساں نہ کچھ آرزوئے عوض
مناسب ہو شخص اور وقت اور مقام
نہ لینا حرام اور نہ دینا حرام
سمجھ لو ستوگن کا یہ دان ہے
کریگا یہی جس میں ایمان ہے

عوض اور بدلے پہ گر ہے نظر
نتیجے کی خواہش، اُمیدِ ثمر
طبیعت کو دینا گوارا نہیں
مگر بن دیئے کوئی چارا نہیں
مکدّر ہے دل اور حیران ہے
تو جانو کہ یہ راجسی دان ہے

بہت ایسی خیرات میں ہے خلل
مناسب نہیں جس کا موقعہ محل
نہ کچھ لینے والا ہی حقدار ہے
ادھر دان کے ساتھ دستکار ہے
ملے گی نہ اس میں بھلائی کبھی
کہ اس طرح کا دان ہے تامسی

یہ سن ''اوم تت ست'' ہے کیا کلام
ہے اک ذات کا تین لفظوں میں نام
یہ اک ذات سرمد کے ہیں پیرہن
اسی سے ہیں یگ وید اور برہمن

جو ہیں جانتے برہم اور وید کو ہیں پہچانتے ذاتِ جاوید کو

وہ جب تپ کریں یگ کریں یا کہ داں سدا اوم کہتی ہے ان کی زباں

جو پھل چھوڑ کر طالبانِ نجات کریں تپ کی یا دان یا یگ کی بات

سدا ان میں دیکھو گے تم یہ صفت کہ ان کی زبانوں پہ ہے لفظ ''تت''

حقیقت کے لفظوں میں اک ست بھی ہے حقیقت بھی ہے اور صداقت بھی ہے

ہے نیکی بھی اس لفظ سے مراد جو حق اور صداقت کی ہے خانہ زاد

ہیں ست اسکو کہتے اگر تیرا دل ہو تپ یگ میں اور دان میں مستقل

حقیقت کی خاطر جو ہے تیرا کام ہے اس کیلئے بھی یہی ٹھیک نام

○

ریاضت ہے یا کوئی نذر و نیاز عقیدت میں ہے سب حقیقت کا راز

اگر قلب ایماں سے محروم ہے صلہ سارے کاموں کا موہوم ہے

بغیر عقیدہ یہ بنتی ہے گت اکارت ہے سب اور سب ہے است

اٹھارہواں ادھیائے

سوال:

میں رکھتا ہوں تعلیم کی تجھ سے آس
بتا دے ہے کیا ترک اور سنّیاس

جواب:

ہے سنیاس میں نے لگاؤ نہ لاگ
ثمر چھوڑ دینے کو کہتے ہیں تیاگ

یہ کرتا ہے پیش ایک عاقل فریق
کہ ہے ترک اعمال اعلیٰ طریق

ہر اک کارِ دنیا ہے بندھن کی بات
یہ سب ترک کر دے تو پائے نجات

ہے بعضوں کی لیکن یہ رائے رہی
عمل ترک کرنے میں ہے گمرہی

نہ یگ دان اور تپ کو چھوڑو کبھی
ان اعمال سے منہ نہ موڑو کبھی

بتاتا ہوں تجھ کو میں مردِ خدا
کہ ہے ترک بھی تین اقسام کا

نہ کرنا ریاضت، نہ خیرات ترک
نہ ہو یگیہ کی کوئی بات ترک

طبیعت میں ان سے ہے پیدا صفا
ہیں عقل آفریں اور ظلمت ربا

اگر کوئی رکھے عمل کا خیال
ہے بہتر کرے ترک پھل کا خیال

خوشی سے کرے دان تپ اور یگ
مگر سب علائق سے ہو دل الگ

یہی میرا دین اور ایمان ہے
صداقت ہے یہ اور عرفان ہے

جو کچھ شاستر نے ہے لازم کیا
نہ کرنا عمل اس پہ ہے ناروا

اسے ترک کرنا ہے ظلمت کا کام
طریقہ ہے یہ تامسی اور حرام

○

جو کرتا ہے خوف مصیبت سے ترک
وہ کرتا ہے بس شوقِ راحت سے ترک

ہے ترک ایسا تحریک جذبات سے
نہ پائیگا حق کو وہ اس بات سے

کہے جو کہ مجھ پر ہے یہ کام فرض
کتابِ الٰہی کے احکام فرض

نہ اجر و ثمر کی ہے دل میں امید
نہ ہے کچھ علائق کی گفت و شنید

سمجھ لو یہ اہلِ صفا کا ہے ترک
یہ ہر ایک حق آشنا کا ہے ترک

جو تارک کہ عاقل ہیں اور باصفا
حقیقت میں جن کو نہیں شک ذرا

انہیں کار دلکش کی رغبت نہیں
مصیبت کی باتوں سے نفرت نہیں

ہے جب تک کہ ربطِ بدن جاں کیساتھ
اٹھائیگا کیا کوئی کاموں سے ہاتھ

مگر اصل تارک ہے ایسا بشر
جو رکھے نہ اصلاً امید ثمر

برا بھی ہے اچھا بھی اجرِ عمل
ہے مخلوط بھی بعض کاموں کا پھل

ہے تارک کا لیکن انوکھا حساب
نہ خوفِ عذاب اور نہ شوقِ ثواب

یہ ہے سانکھ درشن میں گُنہ عمل
کہ ہیں پانچ تعداد میں کُل عِلل

سبب اوّلین جسم ہے یا مقام
دوم کوئی فاعل جو کرتا ہے کام

سوم سب وسیلے اور آلات ہیں
چہارم مساعی و حرکات ہیں

ہے پنجم کسی دیوتا کی مدد
یہ اسباب ہیں پانچ بے ردّ و کد

کوئی کام انسان تن سے کرے
زباں سے کرے یا کہ من سے کرے

کوئی کام اچھا ہو یا ہو رذیل
یہ اسباب پانچوں ہیں اس میں دخیل

جو سمجھا خودی کو کہ فاعل ہے وہ
حقیقت میں خام اور جاہل ہے وہ

خیال اس کا یہ سر بسر وہم ہے
وہ ہے کور دل اور کج فہم ہے

فریبِ خودی سے جو آزاد ہے | وہ عرفان میں پختہ بنیاد ہے
اگر اس سے ہو سارا عالم تباہ | نہ اسکو ثواب اور نہ اس کو گناہ
حقیقت میں اس نے نہیں کچھ کیا | نہیں ہے عمل اس کو زنجیر پا
سہ گونہ ہے تحریکِ کارائے متین | کہ ہیں عالم و علم و معلوم تین
ہے تثلیث کا اک نمونہ عمل | کہ ہیں اس کے اندر سہ گونہ علل
عمل کا کوئی کرنے والا بھی ہے | عمل کے لئے کوئی آلہ بھی ہے

عمل، علم و عالم کی قسمیں ہیں تین | یہی کپل کا سانکھیہ میں ہے دین
گنوں کے سبب سے یہ تقسیم ہے | یہی سانکھ درشن کی تعلیم ہے

ہے خالص مگر ایک علم وجود | کہ اشیا میں اک ذات کی ہے نمود
نہ تقسیم اس میں نہ تبدیل ہے | نہ وحدت کی کثرت میں تحویل ہے
جو کثرت کو مطلق سمجھتا رہا | وہ ناحق کو ہے حق سمجھتا رہا
سمجھتا ہے ہر ایک شئے ہے الگ | کہ نئے ہے الگ اور لیپے الگ

جو کثرت کے دھوکے میں وحدت ہو گم
تو سمجھو اسے راجسی علم تُم

اگر دل میں شمعِ ہدایت ہے گُل
سمجھتا ہے انسان جُز ہی کو کل

نہ تحقیق اسمیں نہ ہے کچھ دلیل
یہ ادراک ہے تامسی اور ذلیل

○

نہیں جسمیں فاعل کو اشیا سے ربط
نہ اسمیں حصولِ ثمر کا ہے خبط

کرے جسکو تو فرض ہی جان کر
نہ رغبت نہ نفرت کا ہو کچھ اثر

نہ ہو اس میں کوئی تمنائے خام
حقیقت میں ہے وہ ستوگن کا کام

○

جہاں ہے خودی اور تمنّا کا میل
ہے اس کام میں سب رجوگن کا کھیل

ہے کیا منفعت دل کو اس کام سے
کیا جس کو رنج اور آلام سے

○

عبث کام جسمیں نہ سوچیں مآل
نہ غیروں کے نقصان کا کچھ خیال

بچھا ہے جہاں خود فریبی کا دام
تو ہے سر بسر وہ تموگن کا کام

ہے عاقل وہی نیک اور پاکباز
نہ جسمیں خودی کچھ نہ ہے حرص و آز

قدم اس کا ثابت ہے اور استوار
کہ اپنی صداقت پہ ہے اعتبار

ہو ناکام مقصد میں یا کامیاب
طبیعت کا اسکی ہے یکساں حساب

جو جذبات ہی میں گرفتار ہے
رہینِ ہوس مردم آزار ہے

سدا آرزوئے ثمر میں رہا
وہ دکھ او سکھ کے بھنور میں رہا

○

بد اطوار اکھڑ، تلوّن مزاج
جو سُستی سے کرتا ہے سب کام کاج

بد اندیش ہے اور مایوس ہے
غرض تامسی ایسا منحوس ہے

سہ گونہ ہیں ایسے ہی عقل اور ضبط
سمجھ لو ذرا ان کا فرق اور ربط

سمجھتی ہے جو عقل خیر اور شر
وہ کہتی ہے ایسا کر، ایسا نہ کر

کہاں خوف و پرہیز کا ہے مقام
کہاں پر دلیری سے چلتا ہے کام

ہے کس شے میں قید اور کس میں نجات
کہاں پر ہے جیت اور کہاں پر ہے مات

ہے دھندلی اگر نیک اور بد کی حد
نہ معلوم کیا نیک اور کیا ہے بد

جو ہو عقل میں اس طرح کا غبار
اسے راجسی عقل کرنا شمار

تموگن میں جب عقل جائے پلٹ
تو ہر چیز دِکھتی ہے اسکو اُلٹ

ادھرم اس میں ہے دھرم، اور شر ہے خیر
بدی سے ہے پیار اور نیکی سے بیر

○

اگر یوگ سے ہے طبیعت میں ضبط
اور آلات جس میں ہے نظم و ربط

ہیں قابو میں دل اور حواس اور دم
تو ہے ساتکی یہ ثباتِ قدم

○

تلاشِ فوائد میں بھٹکا ہوا
حصولِ مقاصد میں اٹکا ہوا

نتائج کی خواہش سے دل پر ہے جبر
تو ہے راجسی ایسی صورت میں صبر

○

جو طاری ہوں رنج و ملال و غرور
نہ ہو خواب غفلت طبیعت سے دور

سمجھ لو کہ ہے تامسی اس کا من
نہیں استواری یہ ہے ڈھیٹ پن

○

میں کرتا ہوں ادراک حقیقت عیاں
سہ اقسام راحت کا اب سُن بیاں

ہے کیا لطف انگیز مشقِ عمل
جو دے رنج کو راحتوں سے بدل

یہ آغاز میں ہے بہت تلخ زہر
پر انجام میں ہے یہ امرت کی لہر

جس انسان کے دل میں ہے عرفاں کا نور
اسی کیلئے ہے یہ خالص سرور

رجوگن میں بس اسطرح کا ہے سکھ
کہ اوّل ہے سکھ اور آخر میں دکھ

ہے محسوس اشیا سے لطفِ حواس
بظاہر اگرچہ بجھاتا ہے پیاس

یہ امرت نہیں جام ہے زہر کا
سدا موت انجام ہے زہر کا

مگر ایسی لذّت ہے موجِ سُراب
کہ ہے جس کا سرچشمہ نسیان وخواب

ہے دھوکہ سراسر یہ راحت نہیں
کہ اس سکھ کی کوئی حقیقت نہیں

غلط ایسی حالت کا ہے نام سُکھ
نہ آغاز سُکھ اور نہ انجام سُکھ

زمیں والے اور ساکنانِ فلک
یہ حیواں یہ انساں یہ دیو اور ملک

ہراک میں ہیں فاعل یہی تین گن
ہراک جاپہ ہیں بس یہی کارکن

اگر کوئی چھتری ہے یا ویش ہے
برہمن کوئی یا صفا کیش ہے

ہے یا کوئی شودر جو ہے دون وخوار
ہے ادنےٰ غلامی ہے جس کا شعار

گنوں کے سبب سے یہ تقسیم ہے
انہیں سے یہ تذلیل وتکریم ہے

جدا سب کی فطرت عمل ہے جدا
کسی میں خودی ہے کسی میں خدا

خدا کو اگر روح ہے مانتی
تو ہے راستی اس میں اور شانتی

طبیعت میں پاکیزگی اور علم — خودی اور خدا اور خلقت کا علم
صفات ایسے جن میں خدا کا ہے نور — ہیں ضبط حواس اور عفوِ قصور
ستوگن سے ہیں یہ برآمد ہوئے — برہمن کی فطرت سے سرزد ہوئے

○

ٹپکتی ہے چہرے سے شان و شکوہ — اکھڑتے نہیں ہیں قدم مثلِ کوہ
لڑائی میں رہتا ہے جو استوار — بہادر، جری، چست اور ہوشیار
طبیعت میں بخشش کی ہے آرزو — رچی دل میں ہے حکمرانی کی خو
یہ ہے سیرتِ چھتریٔ خوش خصال — ہے ایسی ہی مردِ بہادر کی چال

○

گئو رکھشا، بیوپار، کھیتی کے کام — یہ کرتا ہے ویشوں میں ہر خاص و عام
مگر کام ہے شودر کا چاکری — کہ تقدیر میں اس کی ہے نوکری

○

موافق جو فطرت کے دائم رہے — سدا اپنے کرموں پہ قائم رہے
اسی میں کمال اس کا مستور ہے — کرے اسکو جس شے پہ مجبور ہے
ہے فطرت کا قائم اسی سے نظام — کرے ہر کوئی اپنا اپنا ہی کام

ہے جو ذات سر چشمۂ ہست و بود
جز و کل میں ساری ہے جس کا وجود

اسے پوجے اپنے ہی اعمال میں
کمال اسکو حاصل ہو ہر حال میں

ہے دھرم اپنا اچھا، برا یا بھلا
اسی پر چلا جائے انساں سدا

اگر ایک کا دھرم آسان ہے
کرے دوسرا گر تو نادان ہے

مناسب ہے فطرت کے ہراک کا دھرم
وفا میں نہیں استواری سے شرم

مقدر نے جو کام اس کو دیا
کرے ترک انساں تو ہے ناروا

ہو گر نقص بھی کچھ نہ چھوڑے کبھی
نہ قسمت سے منہ اپنا موڑے کبھی

ہراک شغل میں کچھ نہ کچھ ہے زیاں
ہراک آگ کے ساتھ ہے کچھ دھواں

طبیعت میں ہے جس کی صبر و غنا
ہوس سے نہیں عقل رشتہ بپا

نہیں ہے اگر دل میں یاس اور آس
تو سمجھو کہ حاصل ہوا سنیاس

اسے ہاتھ آئے گا ایسا مقام
جہاں ہیں نہ کوئی فرائض نہ کام

جہاں پر کوئی کام دھندا نہیں
جہاں پر نتائج کا پھندا نہیں

○

ہوا اس طرح جس کو حاصل کمال
ہے اس کیلئے ذاتِ حق کا وصال

○

خدا تک پہنچتا ہے کیسے بشر
بیاں اس کا سن مجھ سے تو مختصر

ہو گر عقل میں جلوہ گر نورِ ذات
طبیعت میں پاکیزگی اور ثبات

ہو محسوس اشیا سے آزاد دل
نہ حرص و حسد سے ہو نا شاد دل

نہ رغبت نہ نفرت کرے ہوشمند
ہو سب سے بلند اور خلوت پسند

ہوں قبضے میں نطق اور نفس و بدن
جما ہو بس اک دھیان میں جسکا من

نہ ظلم و حسد ہو نہ کبر و غرور
غضب اور حرص و ہوس سے ہو دور

خودی سے جو اس طرح خالی ہوا
وہی اصلِ ذات عالی ہوا

○

ہوا جس کو حاصل خدا کا وصال
وہ ہے مطمئن اور فرخندہ حال

نہ کچھ آرزو ہے نہ رنج و الم
برابر ہے ہر اک پہ مہر و کرم

جسے میری بھگتی کی دولت ملی
اسے معرفت اور حقیقت ملی

○

حقیقت کو پہنچے گا ایسا بشر
کہ عشق و عبادت سے کھلتے ہیں در

درِ معرفت جب ہوا اس پہ باز
وہ سمجھے گا میری حقیقت کا راز

جو عارف ہوا مجھ میں واصل ہوا　　مری ذات میں وہ بھی داخل ہوا

وہ دنیا میں کرتا رہا اپنے کام　　مگر میرے اندر ہے اس کا مقام

نہ واں ہے تغیر نہ واں ہے فنا　　خدا ہی خدا ہے بقا ہی بقا

تو کرموں سے اپنے تعلق کو توڑ　　مجھی سے فقط رشتہ قلب جوڑ

جسے عقل خالص کا ہے آسرا　　ہے من اس کا میری طرف ہی لگا

ہے واجب تو میرا ہی ہو کر رہے　　تو اپنی خودی مجھ میں کھو کر رہے

اگر دل ترا میرا طالب رہے　　تو ہر اک رکاوٹ پہ غالب رہے

مری بات سے گر کیے کان بند　　تو پہنچے گا پھر تجھ کو ایسا گزند

سراسر ضلالت میں گھر جائیگا　　گڑھے میں تباہی کے گر جائیگا

خودی کی بنا پر جھگڑتا ہے کیوں　　لڑائی نہ کرنے پہ اڑتا ہے کیوں

ارادے ہیں تیرے اکارت یہاں　　کہ لڑوائے گی تجھ کو فطرت یہاں

بندھا ہے تو فطرت کی زنجیر میں　　کرے گا جو ہے تیری تقدیر میں

خوشی سے کہ مجبور ہو کر کرے　　تو ہنس کر کرے یا کہ رو کر کرے

ہے مخلوق کے دل میں خالق کا گھر ہر اک آنکھ میں ہے وہ نورِ نظر

ہے مایا سے دنیا میں سب ریل پیل یہ چکر اسی کی ہے مایا کا کھیل

یہ مایا کا کیسا بنایا ہے چاک اسی کوزہ گر نے چلایا ہے چاک

خدا کی طرف تو دل و جاں سے آ وہی ہے سہارا وہی آسرا

ہو رحمت سے حاصل تجھے وہ مقام جو روحِ ازل کا ہے دارالسلام

جو اسرار میں نے کئے ہیں عیاں ہیں مخفی سے مخفی نہاں سے نہاں

ان اسرار پر ڈال گہری نظر پھر اس پر جو دل تیرا چاہے سو کر

سن ارجن کہ یہ راز سربستہ ہے حقیقت کا لیکن یہی رستہ ہے

مجھے تجھ سے ہے پریت اور پیار ہے بھلائی کی خاطر یہ گفتار ہے

لگا مجھ سے لو اور جما مجھ میں من جھکا سامنے میرے سجدہ میں تن

میرے واسطے گر ہو نذر و نیاز ترے واسطے ہے درِ وصل باز

مجھے پیار ہے تجھ سے اے خوش صفات جو کہتا ہوں تجھ سے سچی ہے بات

تو سب دھرم کر ترک میرے لئے کہ میں ایک کافی ہوں تیرے لئے

نہ اپنے گناہوں سے ناشاد ہو مرا آسرا لے کے آزاد ہو

○

جو بندہ نہیں ہے عبادت گذار   نہ زہد و ریاضت ہے اس کا شعار
حقیقت کی جس کو نہیں تلاش   کبھی اس پہ کرنا نہ یہ راز فاش
نہ چاہے جو اس کو سنانا نہیں   کبھی احمقوں کو بتانا نہیں
جو بدکار کہتے ہیں مجھ کو برا   کبھی ان کو دینا نہ اس کا پتا

○

بتائے جو بھگتوں کو سرّ نہاں   کرے راز سربستہ ان پر عیاں
وہ جب چھوڑ کر آب و گل جائے گا   مری ذات میں آ کے مل جائے گا
مری سب سے بہتر ہے سیوا یہی   کرے ہر نام لیوا یہی
وہی سب سے بڑھ کر ہے مجھ کو عزیز   جو بھگتوں کو دے، ایسی نایاب چیز
مقدس ہے یہ سب سوال و جواب   پڑھے جو خوشی سے وہ ہے کامیاب
تعلیم ہے عقل و حکمت کا یگ   جو ہے اور نذروں سے بالکل الگ

○

سنی جس نے سچی عقیدت سے بات   گناہوں سے پائیگا وہ بھی نجات
ہے جس دل میں اس راستی پر یقیں   نہیں ہے جو بدعیب جو نکتہ چیں

ٹھکانا ہے اس کا بھی دارالسلام
جو ہے حق پرستوں کا اعلیٰ مقام

سوال:

سنی کان دھر کر مری بات کیا؟
سحر سے ہے بدلی تری رات کیا؟
بتا اب بھی تو دل سے قائل ہوا
جو تھا وہم تجھ کو وہ زائل ہوا؟

جواب:

ہوئی صاف دل سے جہالت کی دھول
نہیں کوئی باقی خیالِ فضول
نہ اب شک ہے باقی نہ بھول اور نہ چوک
دھوئیں کی طرح اُڑ گئے سب شکوک
رہیگا سدا درسِ حق مجھ کو یاد
دل و جاں سے ہونگا شریک جہاد

سنجے نے کہا:

سری کرشن وار جن کی یہ گفتگو
بیاں میں نے جس کو کیا ہو بہو
یہ دل دوز اقوال میں نے سنے
بدن پر کھڑے ہو گئے رونگٹے
بہت مہربانی جو کی ویاس نے
سنا سب کچھ ایشور کے اس داس نے
یہ سب کرشن کی ہے زباں سے سنا
اسی کے مبارک وہاں سے سنا

یہ حیرت فزا اور مقدّس کلام مجھے یاد آتا ہے ہر صبح و شام
ہے اس درس سے دل کو حاصل فراغ طبیعت ہے اس یاد سے باغ باغ
ہری کی ہے وہ یاد صورت مجھے ہوئی دیکھ کر جس کو حیرت مجھے
بہت اس کا حیران کن تھا ظہور مگر یاد اسکی ہے کیا پُر سرور
جہاں کرشن ہو منظرِ عام پر جہاں پر ہو ارجن کماں تھام کر

میرے دل میں ہے اس کا پختہ یقیں
کہ ہیں دولت و فتح و نیکی وہیں

اسلامی کُتب

کتاب	مصنف
سرودِ ازلی	خورشید کمال عزیز
طاؤسِ رقصاں: انتخابِ اشعارِ فارسی قدیم وجدید	خورشید کمال عزیز
حدیثِ جاں: انتخابِ اشعارِ فارسی قدیم وجدید	خورشید کمال عزیز
التکشّف عن مہمات التصوف	حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ
سیرتِ رسولِ عربی ﷺ	علامہ نور بخش توکلیؒ
طبِ نبویؐ	ابن قیم الجوزیہ
تذکرۂ غوثیہ	سید غوث علی شاہ قلندر پانی پتیؒ
مقدمۃُ القرآن (An Approach to The Quran)	پروفیسر احمد رفیق اختر
مجموعہ پروفیسر احمد رفیق اختر (کشتِ زربار، پسِ حجاب، بست وکشاد، اُٹھتے ہیں حجاب آخر)	پروفیسر احمد رفیق اختر
کشتِ زربار	پروفیسر احمد رفیق اختر
اسلام کی رُوحانی قدریں: موت نہیں، زندگی	محمد حنیف رامے
سیرتِ سید المرسلینؐ	خورشید عالم گوہر قلم
مطالبُ القرآن	خورشید عالم گوہر قلم
اَللّٰہُ وَحْدَہٗ (ازلیت، ابدیت، علم، ارادہ، توحید وصفات، تخلیقی تکمیں، عقیدۂ وحدۃ الوجود کا جائزہ، اسمائے الحسنیٰ کی تشریحات، ان کے مراتب اور بہت کچھ)	خورشید عالم گوہر قلم
پاکستان میں صوفیانہ تحریکیں	ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بطور رہبرِ تقویٰ	ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی
اسلام کا نظامِ حیات (سیرت النبیؐ کی روشنی میں)	ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی
سیّد الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی مُبارک مجلسیں	علی اصغر چودھری
صحابہ کرام اور عشق حبیب ﷺ کے تقاضے	علی اصغر چودھری
نبی اکرم ﷺ کی مسکراہٹیں	علی اصغر چودھری
الکتاب کے آئینے میں انسان اور ابلیس	علی اصغر چودھری
قرآن مجید اور پانچ انسانی قوتیں	علی اصغر چودھری
قرآن مجید کوئز	علی اصغر چودھری
صحابہ کرامؓ کوئز	محمد کلیم آرائیں
سیرت پاک ﷺ کوئز	محمد کلیم آرائیں

Rs. 200.00

www.sang-e-meel.com

ISBN-10: 969-35-2094-7
ISBN-13: 978-969-35-2094-1